حدیثِ وفا

لعابِ نبوی ﷺ کی برکات

مفتی محمد سعید خان

ندوۃ المصنفین
تریٹ — مری

اشاعت اول ـــــــــــــــ اکتوبر ۲۰۰۰ء
مطبع ـــــــــــــــ احد پریس
کمپوزنگ وطباعت ـــــــــــــــ مکتبہ قدوسیہ

فہرست حدیث وفا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص کو (قیامت کے دن) پورا پورا ثواب حاصل کرنے کی خوشی مطلوب ہو اسے چاہیے کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر ان الفاظ میں درود پڑھے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ وَ اَزْوَاجِہٖ

اے اللہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر جو کہ آپ کے نبی ہیں اور ان کی تمام بیویوں پر جو کہ

اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا

ایمان والوں کی مائیں ہیں اور ان کی ساری نسل پر ایسے ہی درود بھیجئے جیسے کہ

صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ

آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل پر درود بھیجا تھا اے اللہ بلاشک وشبہ

حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

آپ ہی کے لیے ہیں ہر طرح کی تعریف اور شان

(سنن ابو داؤد، ج: ۱، ص:٤٠٦، کتاب الصلاۃ- باب الصلاۃ علی النبی ﷺ)

❁❁❁

وارثِ زمزم

صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے آقا عدلِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے مولا حُبّ و ترحّم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے مقدّس عفّتِ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے اَطیب طیب میں مدغم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے قُثم تبریکِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے ناطق اَسلِم تسلَم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے ہادی مُرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے وافٍ جانم جانم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے ساقی   وارثِ زمزم   صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے یاسر   یسرِ دو عالم   صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے حاشر[3]   نشرِ معظم   صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے مَورِدْ   اِس دم اُس دم   صلی اللہ علیہ وسلم

وہ میرے شافع   شفیعِ مسلم   صلی اللہ علیہ وسلم

مَیں بَد باطِن   وہ قلب کے مرہم   صلی اللہ علیہ وسلم

مَیں چاکر اُن کا   ہر دم ہر دم   صلی اللہ علیہ وسلم

سعید

---

١ مبارک، وہ ہستی جس میں ہر طرح کی برکات جمع کر دی گئی تھیں۔

٢ جس ہستی نے اپنا ہر قول پورا کیا، وفا کنندہ۔

٣ سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھنے والے۔

گذارشات

آقائے مکرم، سید الکونین جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ کہنا اور لکھنا جہاں بڑے شرف کی بات ہے وہاں اس کے لیے بڑا حوصلہ بھی درکار ہے۔ ہمت جواب دیتی ہے اور قلم رک رک کر چلتا ہے۔ اُس ذات عالی مقام کی کیا صفت بیان ہو جن کی تعریف خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہو، حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام نے ان کی رسالت پر شہادت دی ہو، جنھیں قصر نبوت کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہو اور تعلق مع اللہ کے لئے ان کی تعلیمات و سنن حجت قاطع ہوں ؎

اس ذات پہ حجت ختم ہوئی، نبیوں کی شہادت ختم ہوئی
یعنی کہ نبوت ختم ہوئی، پھر کوئی نہ آیا اس کے بعد

اونٹوں کو چرانے والے ان کی صحبت میں پہنچ کر قیصر و کسریٰ کے ظلم و استبداد سے جا ٹکرائے اور گلہ بانی کرنے والوں نے جہاں بانی کے اصول پائے۔ جس ہستی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیقیت کی تعلیم دی ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفت عدل کو جلا بخشی ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سراپا تحمل، حیا اور بردباری بنایا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضا کی گتھیاں سلجھانے کا ڈھنگ سکھایا ہو، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ کے میدان میں امامت کے منصب پر فائز کیا ہو، جہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فقر و استغناء اور حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سخاوت کے انداز سیکھے ہوں، اس سید بطحاء، جلوۂ فاراں، جان دو عالم، شفیع الامم اور اسرار عشق و محبت کے محرم ﷺ کی کیا تعریف کی جائے۔

اونٹوں کے چرانے والوں نے اس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تخت کو روندا کسریٰ کا گریباں چاک کیا
اس نام کی عظمت عرش پہ ہے اس شخص کا چرچا فرش پہ ہے
وہ ذات نہیں تو کچھ بھی نہیں قرآن کی ہر آیت سے کھلا

جناب رسول اللہ ﷺ مجسم خیر و برکت تھے۔ انھیں نبوت ملی تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی راہ ملی مدینہ طیبہ پہنچے تو شہر میں جو وباء و بیماری تھی دور ہوئی۔ آپ کی دعاؤں سے بگڑے ہوئے کام بنے اور آپ ہی کی شفاعت گنہگاروں کی آس ہے۔ آپ کے دست مبارک کی برکات سینکڑوں برس لوگوں کے وجود میں شامل رہیں آپ نے جس دین کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچایا وہ آج بھی قائم و دائم ہے اگرچہ کہ اب اس کے سنبھالنے والے کمزور پڑ گئے ہیں۔ حالیؔ نے انہی حالات کو دیکھ کر کہا تھا ؎

اے خاصۂ خاصان رسل اب وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

اور اب بھی کسی کی ہمت بندھے تو بصد ادب و نیاز روضۂ اطہر پر جا کر عرض کرے ؎

دیکھ تری امت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں، ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدھم مدھم صلی اللہ علیک وسلم

دیکھ صدف سے موتی ٹپکے دیکھ حیا کے ساغر چھلکے
سب کی آنکھیں پر نم پر نم صلی اللہ علیک وسلم

قحط پڑا آپ نے بارش کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آسمان چھاجوں برسا، قدرتی آفات و مصائب میں آپ لوگوں کا سہارا بنے۔ عدل ناپید تھا آپ نے دنیا میں اسے وجود بخشا اور ظلم کا راج تھا آپ ہی نے اسے ختم فرمایا۔ لوگ بیمار ہوئے آپ کی دعاؤں سے صحت ملی۔ اور مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا لباس مبارک اور آپ کے موئے مبارک پانی میں ڈال کر نکال لیتے تھے اور وہ پانی ایسا متبرک ہو جاتا تھا کہ مریضوں کو پلایا جاتا تھا اور وہ شفایاب ہو جاتے تھے۔

آپ کا لعاب مبارک ایک مستقل معجزہ تھا اور اس کے حیرت انگیز اثرات تھے جن کا مشاہدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن رات کرتے تھے۔ کتب احادیث میں ایسی روایات بکثرت آئی ہیں مگر کسی نے ان تمام روایات کو اصول حدیث پر پرکھ کر اس مکمل اطمینان و یقین کے بعد کہ یہ تمام روایات پایہ صحت و استناد کو پہنچتی ہیں، کسی ایک مقام پر اتنی تفصیل کے ساتھ جمع کر دیا ہو، اپنے ناقص اور محدود علم میں نہیں۔ بعض کتابوں میں ان روایات کے لیے اشارے تو ملتے ہیں مثلاً السیرۃ الحلبیہ، مراۃ الجنان یا المواھب اللدنیہ وغیرہ۔ مگر وہاں پر نہ صرف یہ کہ تفصیلات بھی ناکافی ہیں بلکہ بعض روایات تو درجۂ صحت سے گری ہوئی بھی ہیں کئی مرتبہ یہ خیال آیا کہ وہ تمام روایات جو لعاب نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں کتب احادیث میں آئی ہیں اگر انھیں اصول حدیث کی روشنی میں پرکھ کر جمع کر دیا

جائے اور ایک رسالہ مرتب ہو جائے تو شاید ؎

سوچتا ہوں غم دل عرض کروں یا نہ کروں
ان دنوں فکر سے جینا حرام، اے ساقی
دل مرا ڈوب رہا ہے کہ تہی دامن ہوں
ہونے والی ہے اِدھر زیست کی شام اے ساقی
اِک امید شفاعت ہے فقط زاد سفر
جس سے ہمت سی ہے کچھ گام بہ گام اے ساقی

توفیق ایزدی شامل حال ہوئی اور یہ رسالہ مرتب ہو گیا۔ اس کے پہلے باب میں بہت مختصر بیان معجزات کے بارے میں ہے کہ ان کا ماننا ضروری ہے اور یہ بھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک ایک مستقل معجزہ تھا۔

دوسرے باب میں عربی زبان میں تھوک کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی لغوی تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ صحیح احادیث میں یہی الفاظ جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ تاکہ یہ شبہ وارد نہ ہو کہ احادیث کے اصل متون میں الفاظ کچھ اور تھے اور انہیں خواہ مخواہ لعاب نبوی علیہ الصلوۃ والسلام سے متعلق ظاہر کر کے روایات کا شمار بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اور تیسرے باب میں تیئس (۲۳) ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کی برکات کا بیان بھی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف و تاریخ بھی۔ یہ تعریف و تاریخ اس لیے بھی ضروری تھی کہ اس دور میں بہت سے لوگ محض اردو کی غیر

مستند تاریخیں پڑھ کر اور خود رائی کے اثر سے ان مقدس ہستیوں پر ناروا تنقید کر کے اپنا ایمان غارت کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ان ہستیوں کے اصل مقام سے آگاہی حاصل کریں۔

تیسرے باب میں جتنی بھی روایات ہیں ان کے بارے میں بحمد للہ یہ اطمینان ہے کہ اکابر محدثین اور فقہاء کرام رحمھم اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور اگر کسی روایت کے ایک طریقے میں ضعف ہے تو اسی روایت کے دیگر طرق قوی ہیں اور اس قوت نے اس ضعف کو دور کر کے اس روایت کو قوی کر دیا ہے۔ صرف وہی روایات نقل کی گئی ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک ایک معجزہ تھا۔

بعض حضرات نے لعاب مبارک کی روایات میں ان روایات کا تذکرہ بھی کر دیا ہے جہاں آپ نے مسح فرمایا ہے یا کسی کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے۔ دونوں روایات میں فرق ہے لیکن بعض رواۃ نے اس فرق کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ ایسی روایات کی جب تنقیح کی گئی تو وہ مسح یا دست مبارک کے پھیرنے کی روایات ثابت ہوئیں نہ کہ لعاب مبارک کی۔ سو اس رسالے میں فقط لعاب مبارک کی روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے دست شفقت اور کسی کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی برکات بھی ایک مستقل موضوع ہے اور اس کی بھی متعدد روایات نظر سے گذری ہیں مگر آج تک یہ روایات بھی کسی نے الگ سے علیحدہ جمع نہیں کیں۔ اس رسالے میں بطور نمونہ صرف چار روایات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے اور وہ مسح نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کی روایات کو الگ جمع کر دے تو یہ کام عشق نبوی علیہ الصلوۃ والسلام میں اضافے کا باعث بھی ہوگا اور علم حدیث کی ایک خدمت بھی۔

اگرچہ اس معاملے میں پوری احتیاط کی گئی ہے کہ کوئی جھوٹی روایت نادانستگی میں بھی حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔ والعیاذ باللہ۔ مگر پھر بھی بہر حال یہ ایک انسانی کاوش ہے۔ کوئی غلطی ہو تو کاتب الحروف کی سمجھی جائے اور اسے اطلاع بھی دے دی جائے تو احسان ہو گا۔ تاکہ آئندہ طباعت میں اس غلطی کی تلافی کی جاسکے۔

یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ تمام رسالے میں عربی عبارات کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر ہر لفظ کے ترجمے کی پابندی ضروری خیال نہیں کی گئی۔ زیادہ کوشش مفہوم کو پیش نظر رکھنے کی کی گئی ہے۔

اس رسالے کا اصل مقصد جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اجاگر کرنا اور اس شمع کو لوگوں کے دل میں روشن کرنا ہے۔ دنیا بھر میں کسی ایک شخص کے دل میں بھی اگر یہ رسالہ عشق نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کی شمع کو روشن کر دے تو مصنف یہ سمجھتا ہے کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

﴿و الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات﴾

سعید

۱۰ ذی الحجہ ۱۴۲۰ سنہ ہجری بمطابق
۱۷ مارچ ۲۰۰۰ سنہ ء بروز جمعہ عیدالاضحیٰ
مدنی میموریل ہسپتال تریٹ مری

پہلا باب

اسباب ونتائج، معجزات اور عشق نبوی ﷺ

اسباب ونتائج اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اسباب پر اثرات ونتائج مرتب کرنے کا سلسلہ اپنی مشیت وقدرت کے تحت تخلیق فرمایا ہے۔ وہ ذات مقدسہ چاہے تو اسباب پر نتائج کو مرتب کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ کسان ہل چلاتا ہے۔ جو فصل مطلوب ہو اس کے لیے موسم بھی سازگار ہوتا ہے۔ بیج میں بھی کوئی نقص نہیں ہوتا۔ پانی اور دیگر تمام لوازمات بھی اس فصل کے لیے مہیا کیے جاتے ہیں اور حالات ہر طرح موافق ہونے کے باوجود اگر مشیت باری تعالیٰ کو اس فصل کی روئیدگی منظور نہ ہو تو یہ سب اہتمام بے کار ہو جاتا ہے اور وہ ذات جب چاہتی ہے تو انہی اسباب کے ذریعے بنجر زمینوں کو لہلہاتی فصلوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔

سلسلۂ اسباب میں اللہ تعالیٰ نے بیماریوں سے پہلے ادویہ کو وجود بخشا۔ درد و آلام میں جاندار اجسام مبتلا ہوتے ہیں اور زندگی کے وجود سے پہلے نباتات کا پورا ایک عالم وجود میں لایا گیا تاکہ زندگی کے تحفظ کا سبب پہلے سے موجود ہو۔ اپنی خداداد ذہانت سے مرزا اسد اللہ خاں غالب نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے۔

چارہ در سنگ و گیاہ و رنج با جاندار بود
پیش ازیں کیں در رسد آں را مہیا ساختی

(اس کائنات میں پتھروں اور گھاس پھونس کا وجود انسان سے پہلے تھا کیونکہ

بیماری انسانوں اور حیوانات میں پیدا ہوئی تھی اور دوائیں انہی پتھروں اور گھاس ونباتات سے بنائی جاتی ہیں) مگر بیماری میں دوا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی اثر کرتی ہے اگر اس کا اپنا کچھ اختیار ہوتا تو موت ناکام لوٹ جاتی۔

ایک کافر اور مومن میں یہ بہت بڑا فرق ہے کہ اول الذکر اسباب کو ان کی ذات سے موثر جانتا ہے اور مؤخر الذکر اسباب میں نتائج واثرات کو پیدا کرنا مشیت باری تعالیٰ پر موقوف رکھتا ہے۔ جس شخص کی نگاہ صرف عالم اسباب میں الجھ کر رہ جائے اور یہ نظریہ بن جائے کہ یہ ساری کائنات بغیر کسی فاعل حقیقی کے مطلقاً خود ہی چل رہی ہے اور اسباب پر آثار خود ہی مرتب ہو جاتے ہیں تو وہ شخص دھریہ کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَ قَالُوْا مَاهِیَ اِلاَّ حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِکُنَا اِلاَّ الدَّهْرُ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلاَّ یَظُنُّوْنَ﴾ (الجاثیه : ۲۴)

"اور قیامت کے منکر یہ لوگ کہتے ہیں "ہماری اس دنیوی زندگی کے علاوہ کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں۔ اور ہمیں تو صرف زمانے کی گردش سے موت آتی ہے۔" اور ان لوگوں کے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ تو محض ان کے باطل گمان ہیں"

اور جو شخص ان اسباب ووسائل کو اختیار کرے اور نتائج کے مرتب ہونے میں مشیت الٰہی کا قائل ہو اور یہ مانے کہ پوری کائنات اپنے ایک ایک فعل اور اثر کے ظہور میں مالک حقیقی کی محتاج ہے وہ موحد اور مسلمان ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا انکار کر کے اگر ان اسباب ہی کو مؤثر حقیقی مانا جائے

تو پھر ان اسباب کا آغاز کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اب تو زندگی سے زندگی کا وجود پذیر ہونا بوجہ مشاہدہ سمجھ میں آتا ہے مگر سب سے پہلی زندگی کیسے پیدا ہوگئی؟ حیات کا یہ سلسلہ شروع کیسے ہوگیا؟ پہلا انڈہ کیسے وجود میں آیا؟ پہلی گٹھلی کہاں سے آئی؟ پہلا نطفہ کیسے ظہور پذیر ہوا؟ خود مادے کی تخلیق کس نے کی؟ کائنات ایک زبردست دھماکہ (Big Bang explosion) کے نتیجے میں وجود پذیر ہوئی تو اس دھماکہ کے لیے حالات کس نے سازگار کیے وہ مادہ جس میں دھماکہ ہوا وہ کہاں سے آیا؟ یہ ایسی گتھی ہے جو صرف مومن ہی سلجھا سکتا ہے کیونکہ اسباب وعلل کے آخری سرے پر وہ ایک ایسی ہستی کو مانتا ہے جو قادر مطلق ہے اور جس کی مشیت سے یہ ساری کائنات چل رہی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اس بات کو کتنی حکمت اور خوب صورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند — بامن و تومردہ باحق زندہ اند

یہ ہوا مٹی، پانی اور آگ سب اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں، یہ میرے اور تمہارے سامنے تو بے جان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے جاندار ہیں۔

پیش حق آتش ہمیشہ در قیام — ہمچو عاشق روز و شب بجاں مدام

آگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ اس کا حال اس عاشق جیسا ہے جو ہمیشہ بے اختیار اپنے محبوب کے سامنے دن رات کھڑا ہو۔

سنگ بر آہن زنی آتش جہد — ہم بامر حق قدم بیروں نہد

پتھر کو جب لوہے پر مارو گے تو آگ نکلے گی اور یہ آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر سے باہر آتی ہے۔

آہن و سنگ از ستم بر ہم مزن — کایں دو میزایند ہمچو مرد و زن

اس لوہے اور پتھر کو بغیر کسی ضرورت کے ایک دوسرے سے مت ملاان دونوں کاملانا تو مرد اور عورت کا ملاپ ہے جس سے آگ کا بچہ جنم لے گا۔

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک — تو بہ بالاتر نگرائے مرد نیک

یہ پتھر اور لوہا تو خود آگ کے دو ظاہری سبب ہیں۔ لیکن تم اس سے ذرا آگے بڑھ کر غور کرو تو۔

کایں سبب راآں سبب آورد پیش — بے سبب کے شد سبب ہر گز ز خویش

اس ظاہری سبب کو اللہ تعالیٰ نے خود آگے کر دیا ہے ورنہ یہ سبب خود بخود کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔

اں سبب را آں سبب عامل کند — باز گاہے بے پرو عامل کند

اس ظاہری سبب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موثر اور عامل بنادیا ہے۔ پھر جب وہ چاہے ان اسباب سے تاثیر کو ختم کر کے ان اسباب کو بے اثر اور بے کار بنا سکتا ہے۔

وآں سبب ہا کانبیاء را رہبر است — آں سبب ہازیں سببہا برتر است

وہ اسباب جو انبیاء علیہم السلام کی رہبری کرتے ہیں وہ ان ظاہری دنیوی اسباب سے کہیں بلند و برتر ہیں۔

ایں سبب را محرم آمد عقل ما — واں سبب ہاراست محرم انبیاء

ہماری انسانی عقلیں تو صرف ان ظاہری اسباب کو جانتی ہیں جب کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نظران حقیقی اسباب پر ہوتی ہے۔

(کلید مثنوی دفتر اول جواب دادن آتش بادشاہ جہود را۔ج:۱،ص:۱۵۷)

ہم چنیں ز آغاز قرآن تا تمام — رفض اسباب است و علت والسلام

اسی طرح قرآن پاک اپنی ابتداء سے لے کر انتہاء تک اسباب و علل کے موثر حقیقی ہونے کا انکار کرتا ہے اور بس۔

معجزات:

اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو مقام نبوت پر فائز فرماتا رہا ہے کبھی ان کی عزت و تکریم کے اظہار کے لیے، کبھی ان کے ماننے والوں کے یقین میں مزید اضافے کے لیے اور کبھی ان کے مخالفین کو فنا و رسوا کرنے کے لیے ان اسباب میں اس نے تصرف فرمایا ہے جس کی صورت کبھی تو یہ ہوئی ہے کہ کسی چیز کی اصلیت کو ہی تبدیل فرمادیا جیسے کہ سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے معاملے میں ان کے عصا کو سانپ اور پھر سانپ کو عصا بنادیا جاتا تھا یا جناب رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے کبھی پانی کا ظہور ہوتا تھا اور پھر اس کے بعد وہ جسد بشری کی صورت میں نظر آتی تھیں یا ان کے لعاب مبارک سے مریض شفا پا جاتے تھے، اور کبھی اسباب میں تو تبدیلی نہیں کی جاتی لیکن وقت کو مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ جیسے آندھی چلا ہی کرتی ہے مگر غزوۂ خندق میں ایک خاص موقع پر آندھی کا چلنا یہ وہ تائید الٰہی تھی جو جناب رسول اللہ ﷺ کے شامل حال کی گئی اور کبھی اسباب اور وقت میں تبدیلی کے بغیر اس کام کی ظاہری عادت تبدیل کر دی جاتی ہے مثلاً پانی کا برسنا کوئی خلاف عادت بات نہیں مگر جناب رسول اللہ ﷺ کی دعا سے مدینہ طیبہ میں بارش کا ایک ہفتے تک مسلسل

برسنا اور اسی طرح دعاؤں کی قبولیت سے کاموں کا ہونا یہ ان کا معجزہ تھا۔

اور کبھی ان معجزات کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان منتخب کردہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو کسی واقعے کی قبل از وقوع اطلاع دے دیتا ہے یا خواب میں دکھا دیتا ہے اور پھر وہ اس واقعے کے متعلق اپنی امتوں کو قبل از وقوع اطلاع دیتے ہیں۔ اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی کرامات بھی اسی نوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر عقیدے کے یہ مسائل سمجھ میں آگئے ہوں کہ۔

(۱) تمام اسباب و وسائل اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں۔

(۲) ان اسباب و وسائل پر نتائج کو مرتب کرنا بھی اُسی ذات مقدسہ کے علم و ارادے پر موقوف ہے۔

(۳) معجزات دکھانے میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو اور کرامات میں اولیاء کرام رحمہم اللہ کے قبضے میں نہ تو کوئی طاقت ہوتی ہے اور نہ انہیں کوئی اختیار حاصل ہوتا ہے۔

(۴) معجزات و کرامات محض اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے پر موقوف ہیں۔

تو اب ان معجزات کا فائدہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ فطرت انسانی اگر صفت عدل کھو دے تو وہ ظلم کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس شخص کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو جائے یا کوئی شخص برا لگے تو پھر ظلم یہ ہوتا ہے کہ اس کی واقعی خوبیوں کا بھی اعتراف نہیں کیا جاتا۔ اس

کی ہر بات برائی اور اس کی نیکی کی تہہ میں بھی کوئی شر ڈھونڈنے کی کوشش کی جاتی ہے ظالم انسان ہر طرح سے اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کسی بھی قیمت پر اپنے مخالف کی کسی خوبی کا نہ صرف یہ کہ اعتراف نہ کرے بلکہ اس خوبی کو دوسروں کی نظر میں بھی برائی بنا کر پیش کرے۔

وہ تمام انبیاء علیہم السلام جنہوں نے اپنی کافر اقوام کو ایمان کی دعوت دی اور اس عظیم کام کے لیے معجزات بھی دکھائے وہ کافر بجائے اس کے کہ ایمان لاتے انہوں نے ان معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور ان مقدس ہستیوں کو جادوگر ٹھہرایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور لاٹھی کا سانپ بن جانا اور جناب رسول اللہ کے لیے چاند کا دو ٹکڑے کئے جانا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار اور اپنے ان منتخب شدہ افراد علیہم السلام کی عزت و اکرام کو سمجھانے کے لیے ان کافروں کو دکھایا مگر ان معاندین نے اسے جادو ہی قرار دیا وہ اپنی کم عقلی اور بدبختی سے اللہ تعالیٰ کی قوت کے اظہار یعنی معجزے اور شیطانی عمل کے اثر یعنی جادو میں بھی فرق نہیں کر سکے اور ہمیشہ کے لیے رسوا ہوئے۔

جب کہ دوسری طرف دیکھا جاتا ہے تو یہ معجزات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں مزید یقین اور اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے، ان کا ایمان اور اطمینان قلبی مزید بڑھ جاتا ہے اور صاحب معجزہ علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت اور تعظیم ان کے

دل میں مزید گھر کر لیتی ہے۔

ان حضرات نے جناب رسول اللہ ﷺ سے معجزات کا مطالبہ نہیں کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اکثر معجزات کا ظہور انہی میں ہوا۔

آپ کے مسح فرمانے سے برکت ہوئی۔ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی فواروں کی طرح نکلا۔ آپ کی دعا سے لوگوں کے مصائب دور ہوئے۔ آپ کے لعاب دہن سے مخلوق نے شفا پائی۔ آپ کے بال مبارک اور لباس شریف پانی میں ڈال کر مریضوں کو وہ پانی پلایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا بخشی۔ آپ کو کفار پر فتح دی گئی۔ مقام محمود آپ کے لیے مخصوص ہوا۔ آپ کو شفاعت کبریٰ کی اجازت دی گئی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ لوگ آپ کی ہستی کا اعتراف کریں۔ ان کے دلوں میں آپ کی محبت اور کشش پیدا ہو۔ ان کے دنیوی واخروی منافع آپ سے وابستہ رہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی محبت میں سرشار رہیں۔

عشق نبوی علیہ الصلوۃ والسلام:

جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کے تقاضوں میں سے ایک ہے بلکہ آپ کی محبت کے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا۔ خوش نصیب ہیں وہ جنہیں یہ محبت طبعاً حاصل ہے۔ وگرنہ عقلی طور پر تو جناب رسول

اللہ ﷺ سے محبت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ فرض اور لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بار بار ان کے اوصاف و محاسن بیان فرمائے ہیں تاکہ پڑھنے والا غور کرے اور ان کی محبت میں سرشار ہو۔ ایک مقام پر ارشاد ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷)

”وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول اللہ ﷺ کی جو نبی امی ہے اور جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور انہیں برے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے لیے سب پاک چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور سب ناپاک چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتا ہے اور وہ لوگوں سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور جن قیود نے لوگوں کو جکڑ رکھا تھا ان قیود کو دور کرتا ہے۔ پھر جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ رہے اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا تھا

تو بے شک وہی لوگ اپنی مراد پانے والے ہیں۔"

کس قدر اعلیٰ انسانی صفات سے متصف ہیں جناب رسول اللہ ﷺ۔ ان کی خبر اور بشارت ان کی پیدائش سے بھی پہلے آسمانی کتابوں میں دی جا رہی ہے۔ وہ ہمیشہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ ہمیشہ برے کاموں سے روکتے ہیں۔ پاکیزہ اشیاء جنہیں انسانوں نے خود ساختہ قوانین کے ذریعے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا انہیں انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین کو توڑ کر، حلال قرار دیتے ہیں۔ ناپاک چیزیں جنہیں جنس اور شہوت کے مارے ہوئے بیمار فطرت لوگوں نے جائز قرار دے دیا تھا یہ نبی ﷺ ان ناپاک چیزوں کی گندگی سے انسانوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ اور ناپاک اشیاء اور افعال کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ انسانیت پر جو بوجھ ظالم حکمرانوں اور جھوٹی مذہبی قیادتوں نے لاد دیے تھے یہ انہیں ہٹاتے ہیں۔ جو بیڑیاں نوع آدم کے اجسام کو جکڑ رہی تھیں ان بیڑیوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ پھر جو ان کے پیروکار ہیں وہ سب کے سب بغیر کسی استثناء کے فلاح یاب ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی جماعت اگر کامیاب و کامران نہیں ہے تو دنیا میں کوئی بھی کامیاب و کامران نہیں ہے الغرض دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی اقدار جن کا تذکرہ یا تصور کیا جا سکتا ہے۔ وہ سب جناب رسول اللہ ﷺ میں موجود ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ

دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ (الاحزاب: ۴۵،۴۶)

"اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اسی کے حکم کے مطابق اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔"

ایسا سچا گواہ جس کی گواہی ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے اور مقبول کیا معنی، وہ خود ہی تو انہیں اپنا گواہ بنا کر بھیج رہے ہیں۔ بشارت جو عمل پر آمادہ کرتی ہے وہ سناتے ہیں۔ خوف جو معصیت سے روکتا ہے وہ اس کی اطلاع دیتے ہیں۔ بلاشبہ ساری انسانیت کی فلاح اسی میں ہے کہ انسانوں کا ربط اللہ تعالیٰ سے ہو جائے مگر کس راہ سے ہو وہ راہ یہی بتا سکتے ہیں اور انہوں نے ہی بتائی ہے اور خود سے نہیں بتائی، جس ذات باری تعالیٰ کی راہ ہے اسی کے حکم سے وہ اس کی راہ بتا رہے ہیں اور ساری دنیا کے لیے قیامت تک کے لیے ہر زمان و مکان میں ہدایت کا روشن چراغ وہ انہی کی ہستی ہے۔

اور ایک تیسرا مقام پڑھیے۔

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

"اور جو آپ کو ہم نے بھیجا ہے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

اس سے بلند تر مقام انسان کو کیا نصیب ہو کہ وہ سراپا رحمت اور مجسم شفقت ہو۔ بس یہ جناب رسول اللہ ﷺ ہی کی ہستی تھی کہ اوج

رحمت پر مقیم اور غایت ترحم ان پر ختم تھی۔

سلام اس پر لقب تھا رحمۃ للعالمین جس کا
سلام اس پر کہ خود اک نام نامی تھا امیں جس کا
سلام اس پر جو تھا ہمدرد، مخلص غم نصیبوں کا
سلام اس پر جو تھا غم خوار مسکینوں غریبوں کا
سلام اس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اس پر جو دل سوزی سے بیواؤں کے کام آیا
سلام اس پر عدو پر جس نے رفق و لطف فرمائے
سلام اس پر عوض پتھر کے جس نے پھول برسائے
سلام اس پر جو بن کر رحمۃ للعالمین آیا
سلام اس پر جو از سرتا قدم لطف آفریں آیا

جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت ساری دنیا حتیٰ کہ اپنی جان اپنے ماں باپ اور اپنے بیوی بچوں کی محبت سے زیادہ ضروری ہے۔ اپنی جان و مال سے محبت طبعی طور پر ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ سے اس عقلی محبت سے بڑھ کر بھی طبعی محبت ہو جائے یہ تو کمال ایمان ہے اور اگر بالفرض اس طبعی محبت کا مقام نصیب نہ ہو تو پھر ان کی عقلی محبت تو اپنی طبعی محبتوں پر غالب رہنی ہی ضروری ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کے عقلی تقاضے، طبعی تقاضوں پر غالب رہیں گے تو ہی ایمان سلامت رہے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من ولده و والده و الناس اجمعین)).

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنی اولاد، اپنے والدین اور ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔“

معلوم ہوا کہ مومن انسان کے لیے ان کی محبت کا غلبہ تمام محبتوں پر ضروری ہے ورگرنہ ایمان کی تکمیل دشوار ہے۔ ایمان صرف اس بات کا نام نہیں ہے کہ عقائد کے کلمات کو دھرا دیا جائے بلکہ یہ تو ان کلمات کی تصدیق کے ساتھ ساتھ ان کیفیات کا بھی نام ہے جن میں مومن آہستہ آہستہ گھلتا چلا جاتا ہے۔ یہ حب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی جان کے رگ و ریشے میں سماتی چلی جاتی ہے اور یہاں تک کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے اور اس کی روح پکارنے لگتی ہے کہ۔

اے خاکِ درگہ تو جبیں نیازِ ما
قربان یک نگاہ تو عمر درازِ ما
ما کے کنیم رو شفا خانۂ مسیح
لعل شکر فروش تو بس چارہ ساز ما
بر کنج ظلمتم گزر از طلعتے گہے
اے آفتاب عالم و ذرہ نواز ما

(آپ کے در کی مٹی پر میری پیشانی کے سجدے قربان اور آپ کی ایک نگاہ پر میری پوری زندگی صدقے میں لگ جائے۔

ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شفاخانہ سے شفا حاصل کر کے کیا کریں گے۔ بس اے میرے ہیرے، مجھے شفا کے لیے میٹھی دوا دینے والے میری شفا آپ ہی سے وابستہ ہے۔

اے ساری دنیا کو روشن کرنے والے سورج اور ذرہ نواز کبھی میری زندگی کے تاریک گوشوں پر بھی نظر ہو۔)

جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت ایمان کے لیے کتنی ضروری ہے اس بات کا اندازہ اس حدیث سے بھی کیجئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بڑی محبت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عنایت محسوس فرمائی اور عرض کیا۔

لانت یا رسول اللہ احب الی من کل شی الا من نفسی.

"اللہ کے رسولؐ آپ عمر کو اس کی جان کے علاوہ باقی ساری دنیا سے زیادہ پیارے لگتے ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایں معنی مقام صدیقیت پر فائز تھے کہ ان کی زبان کسی جھوٹ کسی مبالغے یا غلط بیانی سے آشنا ہی نہ تھی۔ انہوں نے نہایت صفائی سے وہ بات عرض کر دی جو ان کے جی میں

تھی۔ اور ان کے باطن میں جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کا جو مقام تھا وہ عرض کر دیا بالکل مبالغہ نہیں فرمایا سچائی کو یوں بلا کم و کاست بیان کر دینا یہ شان فاروقی ہی تھی جس نے انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کا تارا بنا دیا تھا۔ اور ان کی یہی سچائی وہ دل نواز عادت تھی جس کی وجہ سے آج رسول اللہ ﷺ نے محبت سے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے رکھا تھا۔

آپ نے فرمایا:

((لا والذی نفسی بیدہ حتیٰ اکون الیک من نفسک)).

"نہیں عمر ایمان کا کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔

((فانك الان و اللہ احب الی من نفسی)).

"اچھا تو اللہ کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہو گئے ہیں۔"

یہ جناب رسول اللہ ﷺ کا کمال تھا ان کی توجہات عالیہ کا اثر تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی انابت قلبی تھی کہ ابھی چند لمحے پہلے تو اپنی جان سب سے زیادہ اچھی تھی اور چند لمحات میں کایا پلٹ گئی اور مخدوم کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ آپ نے

فرمایا-

((الآن یا عمر)).

''عمر اب تم ایمان کے کمال کو پہنچ گئے ہو-''

جس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چند لمحات میں اس صحبت نے ارتقائی مدارج طے کرا کے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہو اس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کم و پیش یہ صحبت و رفاقت انیس (۱۹) برس نصیب رہی ہے- پھر ان کا حال کیا ہو گیا ہو گا؟ کون ہے جو ان کے عروج کا اندازہ کر سکتا ہو؟-

اگر کسی کو توجہات نبوی ﷺ کا تجربہ اور انابت فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اندازہ نہیں ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اور عروج پر تبصرے سے بھی باز رہنا چاہیے-

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے تو صبح و شام دونوں وقت اس حال میں گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے بھی کوئی کھوٹ نہ ہو کیونکہ سینے کو صاف رکھنا یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے کو پسند کرتا ہے اسے مجھ سے محبت ہے-

اتباع سنت جو سارے اسلام اور تصوف و احسان کی اساس ہے اس کی بھی بنیاد واضح فرما دی کہ میری ''محبت'' ہے اور ظاہر ہے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو اپنے محبوب کے رنگ میں رنگنے کی پوری سعی کرتا ہے- پھر اس محبت کا نفع بھی ارشاد

فرمایا:

و من احبنی کان معی فی الجنة.

''اور جو کوئی مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا-''

ساری روایت پر غور کریں تو بنیاد انہی کی محبت ہے اور اس محبت کا اثر یہ ہے کہ دل صاف ہو گا- صفائی صرف ظاہر ہی کی نہیں باطن کی بھی ہونی چاہیے- نظافت جسم کے ساتھ سلامتیٔ صدر بھی ضروری ہے اور جس قدر بھی حب نبوی علیہ السلام میں اضافہ ہو گا یہ انسانیت کے بلند مقام ضرور مل کر رہیں گے-

کتاب و سنت کے اسرار سے سب سے زیادہ واقف اور دین کے تقاضوں سے سب سے زیادہ باخبر جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی تھی- وہ اچھی طرح اس حقیقت سے باخبر تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کا کیا مقام ہے اور یہ کہ اس کے بغیر دین ناقص ہے- اس لیے آپ ان کی سوانح اٹھا کر دیکھیں تو وہ اس عشق میں ڈوبے ہوئے نظر آئیں گے-

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور خلافت میں مدینہ طیبہ میں رات کو لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے گشت فرما رہے تھے اور ایک گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھ کر وہاں تشریف لے گئے- ایک بڑھیا اپنے چرخے پر اون کات رہی تھی اور یہ شعر پڑھ رہی تھی-

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلوٰةُ الاَبۡرَارِ صَلّٰی عَلَیۡكَ الۡمُصۡطَفُوۡنَ الاخۡیَارُ
قَدۡ کُنۡتَ قَوَّامًا بَکٰی الۡاَسۡحَارِ یَالَیۡتَ شِعۡرِیۡ وَالۡمَنَایَا اطۡوَارُ
هَلۡ تَجۡمَعُنِیۡ وَ حَبِیۡبِیۡ الدَّارُ

”جناب رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں کا سلام نازل ہو اور بہت ہی نیک لوگ آپ پر دورد بھیجیں- بلاشبہ آپ رات رات بھر اللہ کے حضور نماز میں کھڑے رہتے تھے اور اپنی امت کے لیے روتے رہتے تھے- موت تو مختلف طرح آتی ہے کاش کہ میں جان لیتی کہ میری موت کے بعد کوئی ایسا مقام ہوگا جہاں میں اپنے پیارے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوسکوں-“

بس یہ اشعار امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیت بدل دینے کو کافی تھے- روتے رہے اور پھر دروازہ کھٹکھٹایا بڑھیا نے پوچھا کون ہے- تو آپ نے اپنا تعارف کرایا اس نے کہا اس وقت عمر کیوں آئے ہیں؟ اور پھر میرا اور ان کا کیا واسطہ؟ آپ نے فرمایا بالکل بے خوف ہوکر دروازہ کھولو- اس نے دروازہ کھولا تو آپ اندر تشریف لے گئے اور دوبارہ انہی اشعار کو پڑھنے کی فرمائش کی- جب وہ آخری شعر پر پہنچی کہ کیا کوئی ایسا مقام بھی ہوگا جہاں یہ ضعیفہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوسکے تو آپ نے فرمایا میری درخواست ہے کہ مجھے بھی اس آرزو اور دعا میں اپنے ساتھ شامل کرلے- اس عورت

نے ایک مصرعہ اور بڑھادیا-

وَ عُمَرَ فَاغۡفِرۡلَهٗ یَا غَفَّارُ

(اور کیا عمر بھی وہاں اس مقام میں آسکیں گے جہاں میری اور عمر کی حاضری جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہو اور اے مغفرت فرمانے والے عمر کو بھی بخش دے)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادیدہ نم یہاں سے واپس ہوئے-

جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت کا یہ سرمایہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی اولاد میں بھی منتقل کر گئے تھے- اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا-

مانافة اضلت فصیلها فی فلاة من الارض باطلب لاثرة من ابن عمر.

”کوئی اونٹنی کسی جنگل میں اپنے گم شدہ بچے کی تلاش میں اتنی جستجو نہیں کرسکتی جتنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نشان تلاش کرتے تھے-“

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر تشریف لائے اور اپنا چہرہ قبر مبارک پر رکھ دیا- مروان مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوا تو انہیں اس حال میں دیکھ کر کہنے لگا ”تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کررہے ہو؟“

گویا کہ اس نے ان کے قبر مبارک پر چہرہ رکھنے کو برا جانا۔
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

نعم، جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم و لم ات الحجر.

''جی ہاں بالکل معلوم ہے۔ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔''

محبت کے ان واقعات کا سلسلہ لامتناہی ہے۔ اور سب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس شخص کو جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے وہ محبت اسے دنیا اور آخرت میں یقیناً نفع دے گی۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ صلح حدیبیہ سے پہلے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اہل مکہ کی طرف سے سفیر بن کر حدیبیہ کے میدان میں آئے اور جو منظر انہوں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ۔

لايتوضأ الا ابتدروا وَضوه و لا يبصق بصاقا الا ابتدروه و لا يسقط من شعره شى الا اخذوه.

''جناب رسول اللہ ﷺ جب وضو فرماتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم آپ کا استعمال شدہ پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے اور آپ تھوکتے تھے تو وہ آپ کا لعاب مبارک حاصل کرنے کے لیے لپکتے تھے اور آپ کا کوئی بال بھی جسم

سے جدا ہوتا تھا تو یہ لوگ اسے فوراً اٹھا لیتے تھے۔''
اور پھر قریش مکہ کے سامنے لوٹ کر جو انہوں نے بیان کیا وہ یہ تھا۔

يا معشر قريش انى قد جئت كسرى فى ملكه و قيصر فى ملكه و النجاشى فى ملكه و انى و الله مارايت ملكا فى قومه مثل محمد فى اصحابه.

''اے قریش میں نے شاہ ایران کسریٰ اور شاہ روم قیصر اور شاہ حبشہ نجاشی کو ان کے اپنے ممالک میں دیکھا اور اللہ کی قسم کسی بادشاہ کی اپنے ملک میں وہ عزت نہیں دیکھی جو جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم میں حاصل ہے۔''

یہ اس شخص کی شہادت ہے جو دشمنوں کا سفیر بن کر آیا اور اپنا دل بھی ہار گیا۔ پھر جو برس ہا برس سے اس ہستی کے ساتھ تھے کیسے ان کے لعاب کو فرش پر اور بالوں کو زمین پر گرنے دیتے۔؟

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ — جو نبی کے قریب ہیں وہ لوگ
اس کی موجوں کے ساتھ بہتے ہیں — اس کے قدموں کے ساتھ رہتے ہیں
تیرتے ہیں لہو کے دھارے میں — اس کے ابرو کے ہر اشارے پر
آخری وقت مسکراتے ہیں — اس کی عزت پہ سر کٹاتے ہیں
ان کا ایک ایک سانس بدر و حنین — ان کے قدموں میں دولت کونین
چور زخموں سے خون میں لت پت — ہاں وہ دیکھو بلال کی حالت
تازیانوں کی چوٹ کھاتا ہے — گرم ریتی پہ تلملاتا ہے

موت کا خوف ہے نہ زیست کی فکر — اس کے ہونٹوں پہ لا الہ کا ذکر
دیکھنا جنگ احد جاری ہے — وقت اسلامیوں پہ بھاری ہے
چار سو کافروں کا ریلا ہے — ابن سکن زیادؓ اکیلا ہے
اس نے دیکھا کہ چند پیکر شر — وار کرنے کو ہیں محمدﷺ پر

دوڑ کر آ کے درمیان نبی
جان دے کر بچائی جان نبی

اس روایت میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے اس کی ایک وجہ وہ معجزات بھی تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اس لعاب مبارک میں دیکھے تھے۔ ان معجزات نے ان کی محبت اور ایقان میں اضافہ کیا اور ان کے لیے یہ لعاب مبارک آب حیات سے زیادہ قابل قدر تھا۔

اس کتاب کے تیسرے باب میں ایسی روایات جمع کی گئی ہیں جنہیں پڑھ کر امید ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت اور ان سے عقیدت میں اضافہ ہوگا۔ یہ اضافہ درحقیقت ایمانی کیفیات میں ازدیاد کا پیش خیمہ بھی ہے اور ممکن ہے کہ علم حدیث کی ایک خدمت بھی ہو۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

❀ ❀ ❀

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) قرآن حكيم.

(۲) صحيح بخارى.

(۳) صحيح مسلم.

(٤) الكامل لابن اثير.

(٥) حلية الاولياء ج : ۱، ص : ۳۱۰، ٤٤- عبدالله بن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنهما.

(٦) مجمع الزوائد ج : ۳، ص : ٦٦٧، كتاب الحج. باب زيارة سيدنا رسول الله ﷺ ۸-٥۳-۱٥-۱۹-۲.

(۷) البداية والنهاية- ج : ٤، ص : ١٦٧

❀ ❀ ❀

دوسرا باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغت

عربی میں تھوک کے لیے استعمال ہونے والے مختلف الفاظ کی لغوی تشریح

جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کے لیے مختلف احادیث میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کی کل تعداد پانچ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لعاب مبارک کے معجزاتی اثرات سے پہلے ان تمام الفاظ کی لغوی تشریح کر دی جائے۔ اور ہر ایک لفظ کے لیے ایک واقعے کا حوالہ بھی مثال کے طور پر دے دیا جائے۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس روایت میں عربی کا وہ لفظ لعاب (تھوک) ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے لفظ ''بُزَاق'' ہے اور اس کی مثال اور اس لفظ کا استعمال حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں ملے گا جو کہ تیسرے باب میں دوسرا واقعہ ہے۔

(ا) بُزَاق

بَزَقَ کے اصل معنی۔

اِلْقَاءُ الشَّیْ کسی چیز کا ڈالنا۔

کے ہیں۔

اہل یمن کی لغت میں جب کسان زمین میں بیج ڈالتا ہے، تو وہ کہتے ہیں۔

بَزَقَ الاَرْضَ. اس نے زمین میں بیج ڈالا۔

طلوع آفتاب کے لیے کہتے ہیں۔

بَزَقَتِ الشَّمْسُ سورج طلوع ہوا۔

یعنی اس نے اپنی کرنیں زمین میں ڈالیں۔

اَبْزَقَتِ النَّاقَۃُ اونٹنی نے اپنا دودھ اتارا۔

یہ اس اونٹنی کے لیے بولا جاتا ہے جس کا ملاپ ابھی اونٹ سے نہ ہوا ہو اور تھوک کی طرح معمولی سا دودھ اس کے تھنوں میں آجائے۔

بُزَاق کے معنی اس انسانی تھوک کے ہیں جو بالغ شخص منہ سے خارج کر دے۔ زمین یا کپڑے وغیرہ پر ڈال دے۔ کیونکہ اگر یہ تھوک منہ میں ہی رہے گا اور باہر نہ ڈالا جائے گا تو ''رِیْق'' کہلائے گا۔ اگر کسی بالغ شخص کی بجائے بچے کا ہو گا تو اسے ''لُعَابٌ'' کہیں گے جیسے کہ

اونٹ کے تھوک کو "لُغَام" اور جانوروں کے تھوک کو "رُوَالُ" کہتے ہیں- مگر یہ خیال رہے کہ "بُزَاقُ" (تھوک) کی یہ لغت کمزور بھی ہے اور کم بھی بولی جاتی ہے- فارسی میں اسے (تھوک کو) "خُدُو" اور انگلش میں (Spittle) کہتے ہیں-

جیسا کہ ابھی گذرا ہے کہ بچے کہ تھوک کو "لُعَاب" کہا جاتا ہے- عام طور پر جناب رسول اللہ ﷺ کے تھوک کے لیے بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے- اس کی ایک وجہ تو خود جناب رسول اللہ ﷺ کا اکرام اور تعظیم ہے اور دوسرے ان کی معصومیت اور بچوں کی معصومیت میں کسی قدر کے اشتراک کی وجہ سے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے-

اسی لفظ سے ملتا جلتا ایک اور لفظ "بُسَاقُ" بھی ہے جو کہ تھوک کے معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے- اس کی لغوی تشریح بھی آئندہ صفحے پر ملاحظہ ہو مگر چونکہ یہ لفظ اس کتاب میں جمع شدہ احادیث میں استعمال نہیں ہوا اس لیے اسے شمار میں بھی نہیں لیا گیا اور نہ ہی اس کی کوئی مثال اس کتاب میں ہے-

بُساقْ

بَسَقَ کے اصل معنی-

اِرْتِفَاعُ الشَّئِ وَ عُلُوُّہ . کسی چیز کا بلند ہونا اور اوپر اٹھنا- کے ہیں جس شخص کا قد لمبا ہو جائے اس کے لیے کہتے ہیں-

بَسَقَ الرَّجُلُ آدمی لمبا ہو گیا-

اور استعارے میں اس شخص کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو اپنے ہمعصروں سے علم و عمل میں بڑھ جائے-

بَسَقَ فُلَانٌ عَلٰی اَصْحَابِہٖ فلاں شخص اپنے دوستوں سے بازی لے گیا-

اور

بَسَقَ فِیْ عِلْمِہٖ وہ اپنے علم میں ممتاز ہوا-

اور

بَسَقَ عَلَیْھِمْ بُسُوْقًا وہ شخص دوسروں پر سبقت لے گیا-

سورج طلوع ہونے کے بعد اوپر آجائے تو کہتے ہیں-

بَسَقَتِ الشَّمْسُ سورج چڑھ آیا-

وہ بادل جو سفید اور زیادہ بلندی پر ہوں ان کے لیے کہتے ہیں-

غَمَامَۃٌ بَاسِقَۃٌ بہت بلند، سفید بادل-

اور

"بَسَاقَۃُ الْقَمَرِ" اس پتھر کو کہتے ہیں جو سفید شفاف اور چمکدار ہو- جیسے کہ انسان کا تھوک سفید اور چمکدار ہوتا ہے-

"مُبْسِقُ" اس بکری یا اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھنوں میں اس کے بچے کی ولادت سے ایک مہینہ یا کچھ زیادہ عرصہ پہلے دودھ آجائے-

مُضرِع. اس بکری یا اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھن اصل دودھ سے بھر جائیں اور پھر ان میں چمک بھی پیدا ہو جائے ۔ اور جن بچیوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہو جاتا ہے ان کے لیے محاورے میں کہتے ہیں۔

اَلْجَارِیَۃُ وَ ھِیَ بِکْرٌ یَصِیرُ فِیْ ثَدْیِھَا لَبَنٌ فَھَلْ ذٰلِکَ اِلاَّ کَالْبُسَاقِ.

بچی ابھی کنواری ہے اور اس کے پستانوں میں دودھ آگیا ہے اور وہ تھوڑا سا دودھ کیا ہے بس تھوک کی طرح ہے۔

اس انسانی تھوک کو بھی بُسَاقْ کہتے ہیں جو انسان منہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ تھوک بھی ظاہر (بلند) ہو جاتا ہے۔ مگر یہ لغت بھی کمزور ہے اور کم بولی جاتی ہے۔

"اَلْبَاسِقُ" وہ کھجوریں جو بہت صاف، اچھی اور زرد رنگ کی ہوں۔ محاورے میں کہتے ہیں۔

بَسَقَتِ النَّخْلَۃُ بُسُوْقًا.

"کھجوروں کے درخت لمبے ہو گئے اور کھجوروں سے بھر گئے۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّھَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ﴾ (سورۃ ق: ۱۰)

"اور کھجوروں کے درخت جو لمبے اور کھجوروں سے بھرے

ہوئے اور جن کا گابھہ تہہ در تہہ ہے۔" (اہل جنت کو ملیں گے)

دوسرا لفظ جو مختلف احادیث میں وارد ہوا ہے "بُصَاقْ" ہے۔ اس کی مثال میں تیسرے باب کا اٹھارواں واقعہ ہے جو کہ حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

(۲) بُصَاقْ

بُزَاقْ، بُسَاقْ، اور بُصَاقْ، تینوں الفاظ قریب المعنی ہیں اور ان میں سب سے زیادہ فصیح لغت اور جو لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے وہ "بُصَاقُ" ہے۔

جو بکریاں کم دودھ دیتی ہیں انہیں "بُصَاقْ" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دودھ بھی گویا انسانی تھوک کی طرح بہت کم ہوتا ہے۔ اور اَلْبُصَاقْ بہترین اونٹ کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ وہ بھی کم ہوا کرتے ہیں۔

"بَصَقَۃُ الْقَمَرِ" یا "بَصَاقَۃُ الْقَمَرِ" اس پتھر کو کہتے ہیں جو سفید، شفاف اور چمکدار ہو جیسے کہ انسان کا تھوک ہوتا ہے۔

"اَلْبُصَاقُ" انسانی تھوک کو کہتے ہیں اور اسی سے محاورہ بنا ہے کہ بَصَقَ فِیْ وَجْھِہٖ. اس نے اس کے چہرے پر تھوک دیا۔

اور یہ محاورہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی کی رسوائی بیان کرنا مقصود ہو۔

اسی طرح منہ سے جو رطوبت بھی نکلتی ہے اسے جب وہ منہ سے باہر آجائے تو "بُصاق" کہتے ہیں اور اگر وہ منہ کے اندر رہے تو وہ "رِیقُ" کہلاتی ہے۔

اس سلسلے میں تیسرا لفظ جو مختلف احادیث میں آیا ہے۔"اَلرِّیقُ" ہے۔ تیسرے باب کا بائیسواں واقعہ جس میں حدیبیہ کے کنوئیں کا تذکرہ ہے۔وہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۳) رِیْقُ

اَلرِّیقُ. کے اصل معنی۔

تَرَدُّدُ شَیْءٍ مَائِعٍ. کسی مائع چیز کا بار بار بہانا۔

کے ہیں۔

یہ مائع یا سیال چیز، پانی یا کوئی بھی اور چیز ہو سکتی ہے۔

اسی لیے جو شخص موت کے قریب پہنچ گیا ہو اور اس کا سانس اکھڑنے کی وجہ اس کے سینے سے بار بار آواز آنے لگے تو کہتے ہیں۔

وَرَاقَ الرَّجُلُ یَرِیْقُ.

"اور آدمی کے سانس اکھڑنے کی آواز بار بار آنے لگی"۔

اور چونکہ بار بار سانس اکھڑنے کے بعد بالآخر موت واقع ہو جاتی ہے. اس لیے باطل اور مٹ جانے والی چیزوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

اَلرِّیقُ. باطل، جھوٹی چیز

اور

اَقْصِرُ عَنْ رَیْقِكَ اپنے جھوٹ میں کمی کر۔

اور

ذَھَبَ رَیْقًا وہ بے کار گیا۔

اور چونکہ سراب بھی باطل اور جھوٹ پر مشتمل ہوتا ہے کہ دور سے تو پانی کی چمک دکھائی دیتی ہے مگر درحقیقت پانی کا وجود نہیں ہوتا اس لیے یہ لفظ سراب کی چمک کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

اَرَقَ السَّرَابُ. سراب چمک اٹھا۔

اور

رَیْقُ السَّیْفِ. تلوار کی چمک۔

جھوٹے وعدے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ محاورے میں کہتے ہیں۔

کَانَ وَعْدُہُ رَیْقُ السَّرَابِ.

"گویا کہ اس کا وعدہ سراب کی چمک ہے"۔

یعنی جھوٹا اور باطل ہے۔

پھر اس میں چونکہ "بہادینا" کے معنی بھی آتے ہیں اس لیے کسی چیز کو خالی کر دینے یا کسی شخص کو فارغ کرنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اُرِیقَتْ عَیْنَہٗ دَمْعًا وَ ھُرِیقَت.

"اس کی آنکھوں نے آنسو بہائے یا اس کی آنکھوں سے آنسو خشک ہو گئے۔"

اس لفظ کے مفہوم میں چونکہ "تکرار" بھی شامل ہے اس لیے جب بار بار کسی مائع کو گرایا جائے گا تو ہر بار گویا کہ پھر اس گرانے کا آغاز کرنا ہوگا تو کسی چیز کی ابتداء کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً

رَیِّقُ الشَّبَابِ   جوانی کی ابتدائی عمر یا چڑھتی جوانی۔

اور

رَیِّقُ الْمَطَرِ   بارش کے ابتدائی قطرات۔

اور

رَیِّقُ اللَّیْلِ اَوْ رَیْقُ اللَّیْلِ.   رات کا ابتدائی حصہ۔

اسی وجہ سے انسان جب صبح سو کر اٹھتا ہے تو وہ تھوک جو منہ میں ہوتا ہے اسے "اَلرِّیْقُ" کہتے ہیں۔ یا تو اس لیے کہ وہ انسان کے منہ میں بالکل صبح سویرے کی ابتدائی رطوبت ہوتی ہے اور یا اس لیے کہ انسان اسے بار بار منہ سے خارج کرتا ہے اور یا پھر اس لیے کہ وہ تھوک خالص ہوتا ہے۔

اگر پہلے معنی اور مفہوم کو دیکھا جائے تو اس سے ماخوذ یہ محاورہ ہے کہ۔

اَلْمَاءُ الرَّائِقُ   وہ پانی جو صبح نہار منہ پیا جائے یعنی صبح سو کر

اٹھنے کے بعد بغیر کچھ کھائے پیئے سب سے پہلے جو پانی پیا جائے اسے اَلْمَاءُ الرَّائِقُ کہا جاتا ہے اور نہار منہ پینے کی اشیاء میں سے صرف پانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک اور محاورہ ہے۔

اُتِیْتُہٗ رَیِّقًا وَ اَتَیْتُہٗ رَائِقًا.

"میں ان کے پاس نہار منہ چلا آیا۔"

یعنی بغیر کچھ کھائے پیئے یا بغیر ناشتہ کیئے پہنچ گیا۔

اَکَلْتُ خُبْزًا رَیِّقًا.

"میں نے صرف روٹی کھائی۔"

یعنی بغیر سالن وغیرہ کے صرف روٹی کھائی جس میں میرا وہ تھوک شامل ہوا جو صبح نہار منہ پہلی مرتبہ منہ میں جمع تھا۔

اَلرِّیْقُ (تھوک) اور اَلرُّضَابُ (تھوک) میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر اس تھوک کے لیے استعمال ہوتا ہے جو انسان کے اپنے منہ کے اندر ہو اور ثانی الذکر کا اطلاق اس تھوک پر ہوتا ہے جو انسان چوستا ہے خواہ وہ تھوک اس کا اپنا ہو یا کسی اور محبوب شخص کا جب یہ اسے چوسے گا تو اس چوسے ہوئے تھوک کو "اَلرُّضَابُ" کہیں گے۔

اَلتِرْیَاقُ کا لفظ بھی اسی سے بنا ہے۔ تِرْیَاقُ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کہتے ہیں زہر کا علاج سانپوں کے تھوک کو جمع کر کے اس سے کیا جاتا تھا۔ اس لیے تھوک (اَلرِّیْقُ) کی مناسبت سے "تِرْیَاقُ" کہا گیا۔

انسان جب صبح نیند سے بیدار ہوتا ہے تو منہ کی رطوبت، جس

میں کسی خارجی چیز کی ملاوٹ نہیں ہوتی وہ خالص تھوک ہوتی ہے۔اسی مناسبت سے خالص چیزیں جو ملاوٹ سے پاک ہوں ان کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

رِیْقُ الشَّرَابُ   بہترین مشروب۔

اَلرَّائِقُ   وہ فقیر جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔

مِسْکٌ رَائِقٌ   خالص مشک۔

اَلرَوْقُ   خالص محبت۔

چوتھا لفظ جس کا تذکرہ تیسرے باب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ملے گا "تَفَل" ہے۔

(۴) تَفْلَ

"تفل" کے اصل معنی کسی چیز کے برے حصے اور اس سے بیزاری کے ہیں۔

اَلتَفْلُ.   بدبودار چیز۔

اَلتَّفَلُ.   بدبودار ہونا۔

رَجُلٌ تَفِلٌ،   ایسا مرد جس نے خوشبو نہ لگائی ہو اور اس سے بو آتی ہو۔

پھر یہی لفظ استعارۃً تھوک کے لیے استعمال ہونے لگا کیونکہ اس میں سے بھی بو آتی ہے۔

تَفَلْتُ بِالشَّیْئِ کسی چیز سے بیزاری اور نفرت کے اظہار کے

لیے اپنے منہ سے اس پر تھوک دیا۔

تَفْلُ الرَّاقِیْ   دم کرنے والے کا تھکار دینا۔

کوئی شخص جب کچھ پڑھ کر دم کرے اور بالکل خالص تھوک کو منہ سے خارج نہ کرے بلکہ ہوا کے ساتھ کچھ تھوک بھی ملا ہوا ہو جو مریض پر گرے تو اس تھوک کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔اسے عام طور پر "تھوک دینے" کی بجائے "تھکارنا" کہتے ہیں۔

اَلتَّفِلَةُ وہ عورت جو خوشبو کا استعمال نہ کرے اور میل کچیل کی وجہ سے اس سے بدبو آتی ہو۔

تُفْلُ الْبَحْرِ   سمندر کی جھاگ۔

کیونکہ گویا کہ وہ سمندر کا تھوک ہے۔

اور محاورہ بولتے ہیں۔

وَذَاقَ مَاءَ الْبَحْرِ فَتفلَهُ اس نے سمندر کا پانی چکھا اور ناگواری سے تھوک دیا۔

اَلْمُتْفَلَةُ   وہ چیز جس پر تھکار دیا جائے۔

اور

"اَلتُتْفُلُ" لومڑی کے بچے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی بکثرت تھوکتا ہے۔

پانچواں اور آخری لفظ "نَفَثٌ" ہے جس کی مثال میں تیسرے باب کا آٹھواں واقعہ جو کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت پر

مشتمل ہے اسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۵) نفث

نَفَثَ کسی چیز کا منہ وغیرہ سے معمولی آواز کے ساتھ نکلنا۔

نَفَثَ الرَّامِی رِیقَهُ پھنکنے والے نے اپنا تھوک معمولی آواز کے ساتھ پھینکا۔

سانپ کی پھنکار کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

وَ الْحَیَّةُ تَنفُثُ السَّمَّ سانپ پھنکارا۔

یعنی اس نے اپنا زہر منہ سے ہوا کے ساتھ باہر پھینکا۔

دَمٌ نَفِیثٌ وہ خون جو زخم سے باہر آئے۔

ہنڈیا جب پہلی مرتبہ کھولتی ہے تو اس کھولاؤ سے بھاپ کے ساتھ جو کچھ ہنڈیا میں ہو' اس کے ذرات بھی باہر آتے ہیں۔ اس کے لیے کہتے ہیں۔

وَ الْقِدْرُ تَنفُثُ اور ہنڈیا کھولتی ہے۔

جب دانت مسواک سے صاف کیے جاتے ہیں تو بسا اوقات مسواک کا کوئی ریشہ دانتوں میں رہ جاتا ہے۔ پھر انسان اسے منہ سے ہوا کے ذریعے باہر پھینکتا ہے۔

ہاتھ کا استعمال نہیں کرتا تو جو ریشہ انسان ہوا کے ذریعے منہ سے خارج کر رہا ہے اس ریشے کو بھی "اَلنُّفَاثَةُ" کہتے ہیں عرب محاورے میں کہتے ہیں۔

لَوْ سَالَنِی نُفَاثَةَ سِوَاكٍ. اگر وہ شخص میری اس مسواک سے ایک ریشہ

مِنْ سِوَاکِیْ هٰذَا مَا اَعْطَیْتُهٗ. بھی مانگے تو میں اسے یہ ریشہ بھی نہ دوں گا۔

اور انسان کو جب مصیبت پہنچتی ہے تو وہ چیختا ہے۔ منہ سے نکلنے والی اس آواز کو جس میں بسا اوقات تھوک بھی ملا ہوتا ہے۔ اسے بھی "نَفَثَ" کہتے ہیں محاورہ ہے۔

لَابُدَّ لِلْمَصْدُوْرِ اَنْ يَنفُثَ. مصیبت زدہ تو چیخے گا ہی۔

شعر کو بھی "اَلنَّفَثُ" کہا گیا ہے کیونکہ شاعر کا کلام بھی گویا کہ ایک مادی چیز ہے جسے وہ اپنے منہ سے خارج کرتا ہے۔ اور کبھی وحی اور الہام پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ فرشتہ اپنی بات کو القاء کرتا ہے۔

"اِمْرَاةٌ نَّفَّاثَةٌ" جادوگرنی کو کہتے ہیں کیونکہ عورتیں جادو کے لیے کچھ کلمات پڑھ کر کسی چیز پر پھونکتی ہیں تو وہ پھونک جو وہ اپنے منہ سے مارتی ہیں اس مناسبت سے ان کے لیے یہ نام تجویز ہوا اور اس کی جمع "اَلنَّفَّاثَاتُ" ہے یعنی پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیاں۔

اسی وجہ سے محاورہ ہے۔

نَفَثَ الرَّاقِی رِیقَهُ. دم کرنے والے نے اپنا تھوک معمولی آواز کے ساتھ کسی پر پھینکا۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ "نَفَثٌ" میں منہ سے دم کرتے ہوئے جو پھونک ماری جائے اس میں تھوک بھی شامل ہو اس لفظ کا اطلاق کبھی پھونک پر بھی ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد "پھونک اور معمولی تھوک" یعنی تھتکارنا بھی ہوتا ہے۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) مجمل اللغة لابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا رحمة اللّٰه علیه.

(۲) معجم مقاییس اللغة لابی الحسین احمد بن زکریا رحمة الله علیه.

(۳) تاج العروس علامه زبیدی حنفی رحمة الله علیه.

(٤) لسان العرب لابن منظور رحمة الله علیه.

(٥) مجمع بحار الانوار لعلامة محمد طاهر گجراتی رحمة الله علیه.

(٦) کلیات ابی البقاء علامه قاضی ابو البقاء رحمة الله علیه.

(۷) الصحاح لاسمعیل بن حماد الجوهری رحمة الله علیه.

❀ ❀ ❀

تیسرا باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لعاب نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات

اس باب میں کل بائیس (۲۲) احادیث اور ان کے راوی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حالات اور واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ یعنی جس صحابی رضی اللہ عنہ کے نام کا حرف پہلے آیا ہے ان کا تذکرہ گرامی قدر بھی پہلے مذکور ہے اور ہر ایک تذکرے کے آخر پر ان کتابوں کے مکمل حوالے موجود ہیں، جن کتابوں سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

(۱) خلیفۂ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خطبہ جمعہ میں جیسے آج خلفائے اربعہ رضی اللہ عنھم کا تذکرہ اہل سنت والجماعت کا شعار ہے۔ اسی طرح خلفائے اربعہ رضی اللہ عنھم کے زمانے میں بھی منبروں پر ان کا اسم گرامی لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصریٰ کا امیر مقرر فرمایا تو انہوں نے خطبۂ جمعہ میں جناب رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی حضرت ضَبَّہ بن مِحصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے

اپنے امیر کو ٹوک دیا۔

فاین انت من ذکر صاحبه قبله تفضله علیه.

امیر المومنین کے دوست (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما) کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ کیا آپ انہیں ان سے بہتر سمجھتے ہیں؟

پھر یہ مسجد میں بیٹھ گئے اور جب چند مرتبہ یہ قصہ پیش آیا تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایت مدینہ طیبہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔ دار الخلافہ سے ان کی طلبی کا حکم صادر ہوا۔ اور جب یہ پہنچے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے خود دریافت فرمایا۔

ما الذی شجر بینك و بین عاملك.

آپ کے اور آپ کے امیر (حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ) کے درمیان کیا وجہ اختلاف ہے؟

انہوں نے عرض کیا۔

کان اذاخطب حمد الله و اثنی علیه و صلّی علی النبی صلی علیه وسلم ثم ثنی یدعولك فغاضبنی ذلك منه و قلت این انت من صاحبه تفضله علیه فکتب الیك یشکونی.

"ہمارے امیر جب خطبہ پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر درود بھیجنے کے بعد آپ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ مجھے اس

حرکت پر غصہ آتا ہے اور میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ آپ کے دوست کا ذکر کیوں نہیں کرتے کیا وہ آپ کو ان سے افضل سمجھتے ہیں۔ بس یہ معاملہ ہے جس پر آپ سے میری شکایت کی گئی ہے۔"

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو اپنے پیش رو، رفیق خاص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یاد آئی اور یکایک آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور پھر فرمایا کہ اپنے امیر کی نسبت تم زیادہ صحیح بات کہتے ہو اور تم حق بجانب ہو۔ اللہ کی قسم ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تو ایک رات عمر اور اس کے سارے گھرانے کے اعمال سے زیادہ اچھے عمل والی رات ہے۔ اگر تم اجازت دو تو اس رات کا قصہ سناؤں انہوں نے عرض کیا کہ ضرور سنایئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہجرت کی رات جب جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے۔ کبھی آگے چلتے کبھی پیچھے کبھی دائیں کبھی بائیں تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح چلنے کی وجہ دریافت کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جس طرف سے خطرے کا اندیشہ ہوتا ہے اسی طرف چلنے لگتا ہوں کہ مبادا آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔

یہاں تک کہ یہ غار ثور تک پہنچے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں پہلے داخل ہوئے اور غار میں سانپوں کے بل تھے تو انہوں نے

اپنے کپڑوں کے چیتھڑے بنا کر انھیں بھر دیا- اور جناب رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کی گود میں سر مبارک رکھا اور سو گئے- ایک سوراخ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں رکھ دیا اور اس میں ایک سانپ تھا جس نے انہیں ڈس لیا- اب اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ درد کی شدت سے جنبش فرماتے ہیں تو جناب رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھل جانے کا خدشہ اور درد ایسا شدید کہ بے اختیار ان کے آنسو جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور پر گرے- آپ کی آنکھ کھل گئی اور ان آنسوؤں کی حقیقت جب معلوم ہوئی تو۔

فتفل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فذھب مایجدہ.

"جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر (جہاں سانپ نے کاٹا تھا) لگا دیا تو جو تکلیف انہیں محسوس ہو رہی تھی ختم ہو گئی-"

محبت کی انتہاء ہے کہ سانپ نے کاٹا اور پاؤں نے حرکت تک نہیں کی اس احساس سے کہ ان کے آقا و محبوب مولا ﷺ کی نیند میں فرق نہ آئے- ایسی محبت کس کو ہوئی ہو گی کہ کسی کی نیند پر اپنی جان قربان کر دیں- اور پھر ناز برداری کی بھی کوئی حد ہے کہ اپنا لعاب مبارک خود اپنے مبارک ہاتھوں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر لگایا جا رہا ہے-

سیدنا صدیق اکبر پہلے مصدق ، پہلے مبشر
امت مرحومہ میں ارحم صلے اللہ علیہ وسلم
جن کے پاؤں کا ہے یہ پایہ ، آب دہن مولا نے لگایا
وہ محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت میں بالکل فنا تھے- غزوۂ بدر کے بعد مشرک قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے میں، حدیبیہ کے میدان میں صلح نامہ کے بارے میں اور یہاں سانپ کے زہر میں بھی یہی فنائیت کار فرما تھی، یہاں سانپ کا زہر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جسم میں داخل ہوا اور خیبر میں ایک یہودی عورت نے جناب رسول اللہ ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر پیش کر دیا-

و بقی بعد ذلك ثلاث سنین حتیٰ قال فی وجعه الذی مات فیه مازلت اجد من الاکلة التی اکلت من الشاة یوم خیبر فهذا اوان انقطاع الابهر منی قال الزهری فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم شهیداً.

"اور پھر اس زہر کے واقعے کے بعد آپ صرف تین برس تک حیات رہے- یہاں تک کہ جس بیماری میں آپ کا انتقال ہوا- آپ نے فرمایا خیبر کے اس زہریلے لقمے کا اثر میں آج

تک محسوس کر رہا ہوں اور وہ زہر میری رگ جاں کو کاٹ رہا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ تو شہید ہوئے تھے۔"

اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے معاملے کو دیکھیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ثم انتقض علیه و کان سبب موته.

پھر وفات سے پہلے اس سانپ کے زہر کا اثر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مرض وفات میں لوٹ آیا اور آپ کی وفات بھی اسی زہر سے واقع ہوئی۔

اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے۔ کیسی حیرت انگیز مماثلت ہے ایک خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ۔ علیہما الصلوۃ والسلام۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) مشکوٰۃ ج: ۳، ص: ۳۳۸۔ کتاب المناقب و الفضائل باب مناقب ابی بکر الفصل الثالث رقم الحدیث. ۶۰۳۴۔ (۱۶)

(۲) شرح الطیبی، ج: ۱۱، ص: ۲۲۶.

(۳) البدایة و النهایة۔ ج: ۳، ص: ۱۸۰ - باب هجرة الرسول

ﷺ بنفسه الکریمة نقل ابن کثیر رحمة الله علیه عن البیهقی رحمة الله لما حفیت رجلا رسول الله ﷺ حمله الصدیق علی کاهله و انه لما دخل الغار سدد تلک الاحجرة کلها و بقی منها جحرا واحد فالقمه کعبه فجعلت الدفاعی تنهشه و دموعه تسیل فقال له رسول الله ﷺ **لاتحزن ان الله معنا** و فی هذا السیاق غرابة و نکارة.

(٤) منهاج السنة النبویة۔ ج: ۲، ص: ۱٤۷۔ فصل قال الرافضی مع انهم ابتدعو اشیاء الخ.

(٥) زاد المعاد۔ ج: ۳، ص: ۲۹۰۔ فصل الشاة المسمومة التی هدیت للنبی صلی الله علیه وسلم.

(٦) المواهب اللدنیة - ج: ۱، ص: ۱٤۸، هجرته صلی الله علیه وسلم.

❀❀❀

(۲) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار مدینہ رضی اللہ عنہم سے تھا۔ ان کا اصل نام بعض محدثین نے ''نعمان'' اور بعض نے ''حارث'' لکھا ہے۔ ایک سفر میں جناب رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ پر اونگھ کا غلبہ تھا اور اونٹنی کی سواری تھی۔ اونگھ کی وجہ سے جب بھی جھٹکا لگتا تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھام لیتے ایک مرتبہ گرنے کے قریب تھے کہ انہوں نے ٹیک لگائی تو آپ کی آنکھ کھل گئی دریافت فرمایا کون؟ عرض کیا ابو قتادہ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا دی۔

حفظك الله كما حفظت نبيه.

اللہ تعالیٰ تمہاری ایسے ہی حفاظت فرمائے جیسے تم نے اس کے نبی (ﷺ) کی حفاظت کی۔ [1]

---

[1] حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ارشد اور شیخ المشائخ مفسر قرآن حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعے سے ملتا جلتا ایک خواب دیکھا تھا جو کہ فیوضات حسینی میں انہی کی زبان سے یوں نقل کیا گیا ہے۔
میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ گر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو تھام لیا اور گرنے سے بچایا۔

جسے جناب رسول اللہ ﷺ نے ''حفاظت'' کی دعا دی تھی دنیا کی کوئی طاقت اب اس ہستی کو گزند نہیں پہنچا سکتی تھی۔

معرکہ ''ذِیْ قَرَد'' پیش آیا اور حضرت اخرم رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن غطفانی دونوں آمنے سامنے تھے عبدالرحمٰن غطفانی کا وار کاری رہا اور حضرت اخرم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان کا گھوڑا بہترین تھا مگر اب اپنے سوار کے بغیر تھا۔ عبدالرحمٰن غطفانی نے اسے لے جانا چاہا مگر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بر موقع پہنچے، گھوڑے کو اپنے قبضے میں لے لیا اور عبدالرحمٰن غطفانی کا قصہ نیزے کی ایک ضرب سے پاک کر دیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس یہی گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور بارگاہ نبوی سے پہلا جملہ ارشاد ہوا۔

خير فرسا ننا اليوم ابو قتاده.

''آج کے دن ہمارا اسب سے اچھا شہ سوار ابو قتادہ ہے۔''

دوسرا جملہ دعا پر مشتمل تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((اللهم بارك في شعره و بشره)).

گزشتہ سے پیوستہ

میں نے اس وقت اس کی تعبیر کی کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کے دین کو قائم کرنا اور شرک کو مٹانا ہے۔ (ص: ۱۷)

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خواب بالکل سچا ثابت ہوا اور اس کی تعبیر بھی صحیح نکلی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے زمانے میں اور بعد میں ان کے شاگردوں اور خلفاء سے ان کے زمانے میں عقائد حقہ کی ترویج و نشر کا بھرپور کام کرایا۔

"اللہ ابو قتادہ کے بالوں اور چہرے میں برکت عطا فرمائے۔"

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے کارنامے سے اتنی خوشی تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت و مسرت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ مزید بھی کچھ انعام ہونا چاہیے۔ تو ارشاد فرمایا۔

((افلح وجھك)) ابو قتادہ تیرا چہرہ کامیاب رہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

و وجھك یا رسول اللّٰه. اللہ کے رسول اللہ آپ کا چہرۂ اقدس بھی۔

مبارک تھیں وہ آنکھیں جنہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی تھی اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اس چہرے اور اسی ہستی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

مکھ چند بدر شعشانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے
مخمور اکھیں ہن مد بھریاں

اس چہرۂ اقدس کی زیارت کی تمنا کس وقت اور کس کو نہیں ہے؟

ایہا صورت شالا پیش نظر
رہے وقت نزع تے روز حشر

وچ قبر تے پل تھیں جد ہوسی گذر
سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرے کو زخمی دیکھا اور دریافت فرمایا۔

ماھذا الذی بو جھك. یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے۔

چہرے پر تیروں کے زخم تھے اور سوج رہا تھا انہوں نے حقیقت حال عرض کی تو ارشاد ہوا۔

ادن منی میرے قریب ہو جاؤ۔

اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے تیر کے بقیہ حصے نکالے اور۔

ثم بزق فیه و وضع راحته علیه.

"اپنا لعاب مبارک زخم پر لگایا اور اپنی ہتھیلی اس زخم پر رکھ دی۔"

زخم ٹھیک ہو گیا، ورم اتر گیا اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے تھے۔

فوالذی اکرمه بالنبوة ماضرب علی ساعة قط و لا قاح علی.

"اس اللہ کی قسم جس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا آپ نے میرے زخموں پر کوئی سختی نہیں کی اور وہ مندمل ہوئے اور کوئی ورم باقی نہ رہا۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چہرے پر ہاتھ بھی تو رکھا تھا اس کا اثر کیا ہوا؟ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ستر برس کی عمر میں ہوا اور اس دست مبارک کے پھیرنے کا یہ اثر تھا کہ دیکھنے والے کہتے ہیں۔

و كانه ابن خمس عشرة سنة.

وہ کفن میں ایسے لگ رہے تھے جیسے پندرہ برس کے نوجوان ہوں۔

انہیں ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی دی تھی کہ۔

اَللّٰهم بارك له فى شعره و بشره.

"اللہ اس کے بالوں اور چہرے کو برکت عطا فرما۔"

اس دعا کا بھی تو اثر تھا کہ وفات تک چہرے پر نہ جھریاں پڑیں اور نہ بڑھاپا طاری ہوا۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چاہنے والوں کو بھی کیا کیا دعائیں دی ہیں۔ اور پھر ان کے اثرات زمانے کے اثرات کو محو کر گئے ہیں۔ زمانہ قیامت میں جسے بھی ان کی شفاعت نصیب ہو گی وہ اس زمانے کے اثرات سے بھی تو محفوظ ہو جائے گا۔

کاش مری امید بر آئے — حشر کے روز میسر آئے
سایہ رحمت ساقی کوثر — صلی اللہ علیہ وسلم
ان کی یاد اک ایسی مہک ہے — پھیلی ہوئی جو روح تلک ہے
نقش انہی کا نام ہے دل پر — صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) فيوضات حسينى از حضرت مولانا صوفى عبدالحميد خان صاحب سواتى مد ظلهم.
(۲) الاصابة فى تمييز الصحابة رضى الله عنهم- ج : ٤ ' ص : ١٥٨ ' حرف القاف القسم الاول- رقم : ٩٢١-
(۳) كتاب الاستيعاب على هامش الاصابة- ج : ٤ ' ص ١٦١-
(٤) سير الصحابة رضى الله عنهم- ج : ٣ ' ص : ١٩٦. حضرت ابوقتاده رضى الله عنه.
(٥) البداية و النهاية: ج : ٤ ' ص : ١٥٣- غزوة ذى قرد.
(٦) السيرة الحلبيه ' ج ٣ ' ص : ٦ ' غزوة ذى قرد.
(٧) اسد الغابة- ج : ٥ ' ص: ٢٧٥- حرف القاف.

❀❀❀

(۳) حضرت ام جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام جندب الازدیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابیات میں سے ہیں۔ سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ کی ''کتاب المناسک'' میں ان کی روایت ملتی ہے جہاں ان کے بیٹے حضرت سلیمان بن عمرو بن الاحوص رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایت بیان کرتے ہیں اور یہ حجۃ الوداع میں چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں اس لیے اس سفر حج کے بعض اپنے مشاہدات بیان فرماتی ہیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ دس ذی الحجۃ کو ''رمی'' سے فارغ ہو کر جب واپس تشریف لے جا رہے تھے، تو یہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک عورت جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل پڑی، یہ عورت ''خثعم'' قبیلے سے آئی تھی اور اس کا بچہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ اس بچے پر جنات کا اثر تھا اور وہ اس وجہ سے بولنے سے معذور تھا۔ اس عورت نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔

ان هذا ابنی و بقیة اهلی و ان به بلاء لایتکلم.

''یہ میرا بیٹا ہے اور میرے خاندان میں یہی رہ گیا ہے۔ اس کو کوئی بلا چمٹ گئی ہے اور بولنے سے معذور ہو گیا ہے۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانی لادو۔ چنانچہ پانی پیش کیا

گیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس پانی سے دھوئے اور کلی بھی فرمائی اور یہ سارا پانی ایک برتن میں جمع ہوتا رہا۔ پھر یہ پانی اس عورت کو دے کر آپ نے فرمایا:

اسقیه منه و صبی علیه منه و استشفی الله له.

''اس پانی کو اپنے بیٹے کو پلاؤ اور اس پر چھڑکو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی شفا کے لیے دعا بھی مانگو۔''

حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا کو بھی اس پانی کی قدر و قیمت کا علم تھا اور اس مجبور ماں کو بھی، وہ جب پانی لے کر چلیں تو انہوں نے اس عورت سے درخواست کی کہ کچھ پانی انہیں بھی دے دیں۔ مگر انہوں نے اپنی معذوری کا اظہار کیا کہ یہ پانی تو اس مبتلائے بلا کے لیے ہے۔ اور پھر وہ عورت چلی گئی۔

اگلے برس جناب رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے تھے۔ حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا کی ملاقات اسی عورت سے ہو گئی۔ پانی کی بات ان کے ذہن میں ابھی تک تازہ تھی۔ انہوں نے اس بچے کا حال پوچھا جس پر یہ آب حیات چھڑکا اور اسے پلایا گیا تھا تو اس عورت نے جواب دیا۔

برأ و عقل عقلا لیس کعقول الناس.

''میرا بیٹا ٹھیک ہو گیا ہے اور اتنا عقل مند ہو گیا کہ عام لوگوں کی عقل سے زیادہ اس کی عقل ہے۔''

جس مجسم علم و دانش کے ہاتھوں کا دھلا ہوا پاکیزہ پانی اور علم و

حکمت کے جس منبع کا کلی کردہ لعاب مبارک ملا ہوا پانی اس بچے نے پیا تھا اس کی عقل و فہم میں کیسے اضافہ نہ ہوتا اور وہ عام لوگوں سے زیادہ عقل مند کیسے نہ ہوتا' یہ سب کمال تھا اس جسم اطہر اور اس لعاب مبارک کا جو تسنیم و کوثر سے بھی فائق تر تھا-

بعد خدا ہر ایک سے افضل اشرف و اکمل اطیب و اجمل
اصدق و اعدل اجود و احکم صلی اللہ علیہ وسلم
شافع محشر ماحی عصیاں حامی مضطر حارس گیہاں
ساقی کوثر وارث زم زم صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) سنن ابن ماجه- كتاب الطب- باب النشرة- ص:۲۶۸۹- رقم الحديث: ۳۵۳۲.

(۲) تهذيب الكمال- ج: ۲۲' ص: ۴۵۲' باب الكنى من كتاب النساء' رقم: ۸۵۴۷.

❁❁❁

(۴) حضرت بشر بن عقربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غزوۂ احد وفا ثابت کرنے کا دن تھا- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دن اپنی جانیں اپنے نبی ﷺ پر لٹا دیں اور ان کی حفاظت میں داؤ پر لگا دیں- جب میدان جہاد میں ہلچل مچی اور کفار مکہ نے جناب رسول اللہ ﷺ پر حملے کی کوشش کی تو تقریباً تیس جوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے- ہر کوئی آپ کی خدمت میں آتا تھا اور کہتا تھا-

وجهي لو جهك الوفا- و نفسي لنفسك الفداء و عليك سلام الله غير مودع.

"اللہ کے رسول آپ کے چہرۂ اقدس کی بجائے میرا چہرہ حاضر ہے اور آپ کی زندگی کے صدقے میں میری زندگی آپ کے لیے ہے- اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ایسی سلامتی جو کبھی آپ سے جدا نہ ہو-"

اور پھر انہوں نے جو کچھ کہا تھا سچ کر دکھایا اور دیوانہ وار شہید ہوتے رہے- زندگی کس قدر دشوار' صبر آزما اور موت کتنی آسان اور خوش گوار تھی- عشق و محبت میں ڈوبے' رچے اور بسے ہوئے یہ "دیوانے" جس کے لیے موت کا منہ چوم رہے تھے وہ ہستی بھی تو سر پر

کھڑی تھی۔

پڑھتا ہوا محشر میں جب صل علی آیا
رحمت کی گھٹا اٹھی اور ابر کرم چھایا
کیوں نزع کی دشواری آسان نہ ہو جاتی
تھا نام تیرا لب پر اور سر پہ ترا سایہ
فاسق کی ہے یہ میت پر ہے تو تری امت
ہاں ڈال تو دے اپنے دامن کا ذرا سایا

شہدائے احد رضی اللہ عنہم میں ایک حضرت عقربۃ بن عقربۃ الجھنی رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کے بیٹے حضرت بشر بن عقربۃ رضی اللہ عنہما بھی صحابی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے والد جب احد میں شہید ہوئے تو میں رو رہا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گذرے تو میرے اس رونے کو دیکھ کر فرمایا۔

((اسكت اما ترضى ان تكون انا اباك و عائشه امك)).

”نہ رو کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میں تمہارا والد اور عائشہ تمہاری والدہ ہوں۔“

انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں میرا باپ اور ماں آپ پر قربان میں اس پر راضی ہوں۔

حضرت عقربۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس بیٹے کا نام ”بحیر“ رکھا تھا۔ اور جب وہ انہیں لے کر جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا۔

من هذا معك يا عقربة؟

عقربہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا۔

ابنی بُحَیْر.

میرا بیٹا ”بحیر“ ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ نام پسند نہیں آیا اور آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی بھی جگہ یا انسان کا نام جس کے معانی برائی پر دلالت کرتے ہوں آپ تبدیل فرما دیتے تھے۔ مثلاً ”شہنشاہ“ نام یا لقب کو آپ نے بہت ناپسند فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

((اشتد غضب الله على من زعم انه ملك الاملاك)).

”اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص پر سب سے زیادہ ہوتا ہے جو یہ سمجھے کہ وہ شہنشاہ ہے۔“

شہنشاہ یعنی بادشاہوں کا بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اس لیے کسی بھی شخص کو خواہ وہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی بڑے عہدے یعنی صدارت یا بادشاہت پر ہی کیوں نہ فائز ہو یا دینی اعتبار سے وہ منصب نبوت ہی کا حامل کیوں نہ ہو سبھی کو شہنشاہ کہنا جائز نہیں۔ دینی حلقوں میں جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے شہنشاہ مدینہ اور حضرت علی اور

حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لیے شہنشاہ نجف یا شہنشاہ کربلا کے الفاظ استعمال کرنا مکروہ، ناپسندیدہ، ناجائز اور منع ہیں- ایسے القاب لکھنے اور نہ بولنے چاہیں- حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کلب (کتا) نام رکھنے سے منع فرمایا- انسان کا نام کلب علی (علی کا کتا) یا کلب حسین (حسین کا کتا) سگ بتول (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کتیا) رکھنا یہ انسانیت کی بھی تذلیل ہے- اگر کوئی شخص غلبۂ حال میں کبھی اپنی نسبت میں ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کی معذوری تو سمجھ میں آتی ہے لیکن کسی کو مستقل "کتا" نام رکھنا شرافت و انسانیت سے گری ہوئی بات ہے-

جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسے نام بھی لیے جاتے تھے جو اچھے اور برے دونوں معانی رکھتے تھے مگر آپ ان ناموں کو بسا اوقات تبدیل نہیں فرماتے تھے کیونکہ ان ناموں کا معاشرے میں اتنا رواج ہو جاتا تھا کہ کسی کا ذہن مشکل ہی سے اس نام کے برے مطالب کی طرف جاتا تھا- مثلاً جعفر ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اس نام یعنی جعفر کے چار معانی بنتے ہیں (۱) دودھ دینے والی اونٹنی (۲) گدھا (۳) دریا (۴) وسیع- مگر چونکہ اس معاشرے میں یہ نام اچھے معانی (دریا- وسیع) میں استعمال ہوتا تھا اس لیے وہ برقرار رکھا گیا اور اس کے برے معانی (گدھا، اونٹنی وغیرہ) کو نظر انداز کر دیا گیا اور نہ ہی اس معاشرے میں اس نام کے

برے معانی کی طرف کسی کا ذہن آسانی سے منتقل ہوتا تھا-

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے- جناب رسول اللہ ﷺ نے بارہا ان کا نام لیا اور بارہا آپ کے سامنے بھی انہیں اس نام سے پکارا گیا مگر آپ نے اس نام کو تبدیل نہیں فرمایا- معاویہ کے ایک معنی تو "بھونکنے والی کتیا" کے ہیں اور اگر اسے عاوی یعاوی سے اسم فاعل کا صیغہ معاوی "مفاعل" کے وزن پر مانا جائے اور اس کے آخر کی تاء 'تاء مبالغہ قرار دی جائے جیسے کہ علامۃ کے آخر کی تاء تاء مبالغہ شمار کی جاتی ہے تو پھر اس کے معانی "بہت فریاد کرنے والا" کے قرار پائیں گے- اس معاشرے میں یہ نام عام تھا اور اس کے برے معانی کی طرف کسی کا ذہن مشکل سے جاتا تھا اس لیے یہ نام معاشرے میں رائج تھا-

حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعین میں سے تھے- صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کی ان سے محبت کے متعدد واقعات کتابوں میں مندرج ہیں- ان کا لقب "باقر" تھا اور عام طور پر امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں- اب باقر کے مطالب و معانی پر غور کیجیے تو اس کا ایک معنی "بیل" کے بھی بنتے ہیں اور ایک معنی "انتہائی صاحب علم" کے بھی ہیں- لوگوں کے ذہن ان اچھے معانی ہی کی طرف منتقل ہوتے تھے اس لیے کسی نے بھی اس لقب پر نہ اعتراض کیا اور نہ ہی یہ تبدیل کیا گیا اسی طرح ایک صحابی رضی

اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کا نام شیطان بن قرط تھا آپ نے اسے تبدیل کر کے عبداللہ بن قرط رکھ دیا- حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے اس کا نام پوچھا تو اس نے شہاب (انگارہ) بتایا آپ نے فرمایا تم تو ھشام (سخی، دودھ دوہنے کا ماہر) ہو-

جھینہ قبیلہ کے ایک فرد نے کسی کو پکارا "اے حرام" یہ اس شخص کا نام تھا تو جناب رسول اللہ ﷺ سن رہے تھے آپ نے فرمایا "اے حلال" یعنی آپ نے پہلے نام کو برا محسوس فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ سفر میں ایک مقام پر گذرے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس مقام کا کیا نام ہے- عرض کیا گیا "غَدِرَہ" جو بنجر ہو یا اس میں کچھ اُگے بھی تو فوراً برباد ہو جائے) آپ نے اس نام کو برا سمجھا اور فرمایا اس کا نام خَضِرَہ (سرسبز زمین) ہے-

ایک اور جگہ سے گذر ہوا تو اس بستی کا نام عقرہ (تباہ کرنے والی) تھا آپ نے اس کا نام بھی خَضِرَہ (سرسبز زمین رکھا)

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کا نام زمانۂ جاہلیت میں زحم (تکلیف دینے والا) تھا آپ نے اسے تبدیل فرما کے بشیر (خوش خبری سنانے والا) رکھ دیا-

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے بیٹے کی پیدائش پر ان کا نام حرب (جنگ) رکھا اور آپ نے اسے بدل کر حسن (خوب صورت) رضی

اللہ عنہ رکھ دیا- پھر دوسرے بیٹے کی پیدائش پر بھی انہوں نے حرب نام رکھنا چاہا مگر جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کا حسین (بہت اچھا) تجویز فرمایا-

غزوۂ حنین میں آپ نے ایک صاحب سے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے غراب (کوّا) بتایا آپ نے فرمایا-

((انت مسلم)).

"تم تو مسلم (فرماں بردار) ہو-"

اس طرح ان کا نام غراب (کوّا) سے بدل کر مسلم (مطیع) ہو گیا-

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ان کا نام دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا "الصرِم" (کاٹنے والا) تو آپ نے ارشاد فرمایا-

((الصرم قد ذھب))

الصَرِم (کاٹنے والا) تو ختم ہوا-

اور پھر ان کا نام سعید (بڑے نصیب والا) رکھا- حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ یہی ہستی ہیں-

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام عبد عمرو (عمرو کا بندہ) تھا- جناب رسول اللہ نے اسے بدل کر عبدالرحمٰن (رحمٰن کا بندہ) رکھا-

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری کم عمری میں جناب رسول اللہ ﷺ نے میرا نام دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا عتلہ (بہت

سست، برائی کی طرف لپکنے والا) تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم تو عتبہ (پھرتیلا، بجلی کی طرح بار بار چمکنے والا، خوش کر دینے والا) ہو۔

اس طرح ان کا نام عتلہ بن عبد کی بجائے عتبہ بن عبد ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور صاحب کا نام شیبہ (بڑھاپا، بوڑھا) تھا آپ نے اسے بھی تبدیل فرما کر ان کا نام ''عتبہ'' رکھا۔

ایک صاحب کا نام اسود (سیاہ) تھا آپ نے ان کا نام ابیض (گورا) رکھا۔

الغرض اس بات کا خاص اہتمام تھا کہ کوئی ایسا نام نہ رکھا جائے اور نہ باقی رہے جس سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہو، برے معانی کی وجہ سے ذہن برائی کی طرف مائل ہوتا ہو، مایوسی پھیلتی ہو یا کسی کو مذاق اڑانے کا موقع ملتا ہو۔

عرب اپنی اولاد اور غلاموں کے نام کن اصولوں کے تحت رکھتے تھے اس کے لیے ''اسلامی کتب خانے'' کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ ہو۔

''بعض وہ لوگ جو عربوں پر زبان طعن دراز کرتے تھے، کہتے تھے کہ عرب نام بے تکے اور بے بنیاد رکھتے ہیں حالانکہ یہ ایک بے اصل بات ہے، چنانچہ عتبی سے عربوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا۔

''عرب اپنے جگر گوشوں کے نام دشمنوں کے زیر کرنے کی غرض سے اچھے نہیں رکھتے تھے، غلاموں کے نام اپنی خدمت کی بناء پر

بہتر سے بہتر رکھتے تھے''۔ مشہور لغوی ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ بیان ہے کہ ''اسی بنیاد پر عرب اپنے فرزندوں کے نام مختلف طریقوں سے رکھتے تھے۔

کبھی دشمنوں کے خلاف نیک شگون کے طور پر جیسے غالب، (زبردست) غلاب، بہت زیادہ غالب رہنے والا، ظالم، عارم، (کھال کھینچنے والا، تکلیف پہنچانے والا)، منازل مقاتل، معارک، ان تینوں کے معنی میدان جنگ میں مقابلہ کرنے والا ہیں۔

کبھی ''مسہر'' شب کو نہ سونے والا، چوکنا رہنے والا، مورق، مال غنیمت پانے والا، متنبہ، خبر دار کرنے والا، مصبح، شب کی تاریکی میں بیدار رہنے والا اور صبح دم دشمن پر ٹوٹ پڑنے والا، طارق، رات میں شب خون مارنے والا۔

کبھی قاتل دشمن کو مارنے والا کامیاب ''وائل'' اپنی جگہ بنانے والا، بچ نکلنے والا ''ناج'' کامیاب ''مدرک'' دشمن کو پانے اور سمجھنے والا، دراک، خوب سمجھنے اور آواز پر جانے والا، سالم سلیم، جنگ میں صحیح و سالم رہنے والا، مالک، قابض، عامر، آباد، سعد، سعید، مسعدہ، نیک و کامیاب اسعد زیادہ نیک بخت وغیرہ رکھتے، اردو فارسی میں کامران، شیر جنگ، جنگی، دلاور اور شیر افگن وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں۔

کبھی دشمنوں کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کے لئے درندوں کے نام پر نام رکھتے تھے چنانچہ اسد (شیر) لیث، فراس (شیر ببر)، ذئب،

بھیڑیا' سیسہ' بھیڑیا' ضرغام' شیر ببر' عملس' برق رفتار وغیرہ۔

کبھی مختلف قسم کے کانٹے دار درختوں کے نام پر نام رکھتے تھے چنانچہ طلحہ' سمرہ' سلمہ' قتادہ' ہراسہ' یہ سب بڑے کانٹے دار درختوں کے نام ہیں۔

کبھی سخت پتھریلی زمین جس پر چلنا دشوار ہوتا ہے اس کے نام پر نام رکھتے تھے' جیسے حجر' حجیر' فہر' جندل' جردل' حران' خرم' وغیرہ یہ سب ایسی سخت پتھریلی زمینوں کے نام ہیں جن پر قدم رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میاں بیوی گھر سے نکلے اور ماں ابھی بچہ کو دودھ ہی پلاتی ہوتی ہے کہ راستہ میں جانور انہیں پہلے دکھائی دیتا اس کے نام پر اس کا نام رکھتے جیسے ثعلب (روباہ نر) ثعلبہ (لومڑی)' ضب (گوہ مادہ)' خزر (خرگوش)' ضبیعہ (بجو)' کلب (کتا)' حمار (گدھا)' قرد (بندر)' خنزیر (سور) جحش (گدھے اور گھوڑے کا بچہ)۔

یا کبھی جو پرندہ پہلے ملتا اس کے نام پر نام رکھتے جیسے' غراب (کوا) صرد (لٹورا جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے)

سو آپ کو حضرت عقربۃ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ''بحیر'' کا نام پسند نہیں آیا تو آپ نے ان کے بیٹے کو مزید اپنے قریب ہونے کا حکم دیا ''بحیر'' خود اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فدنوت حتی قعدت علی یمینہ فمسح علی راسی بیدہ و قال ما اسمک؟

''میں آپ کے قریب ہو گیا تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر شفقت سے رکھا اور دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا ''بحیر'' (بیوقوف۔ حیران و پریشان) تو آپ نے فرمایا۔

((لا و لکن اسمک بشیر)).

''نہیں تمہارا نام تو بشیر (خوش خبری سنانے والا) ہے۔''

کیسی حوصلہ دلانے اور امنگ پیدا کرنے کی بات ارشاد فرمائی۔ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو مثبت سوچ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ کسی بھی مسئلے کا تاریک پہلو سامنے رکھنے کی بجائے روشن پہلو کی طرف دیکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اور ہمیشہ اس طرح کی تعلیم دیتے اور تربیت فرماتے رہے کہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد' اچھی امید' حسن ظن اور تنگ نظری کی بجائے وسعت نظر جنم لے اس لیے آپ نے ایسا نام ہی بدل دیا جس کے معانی میں حماقت و حیرت کا عنصر پایا جائے۔ انسانیت کو سوچ کے یہ نئے زاویے فراہم کرنا آپ ہی کی نبوت کا حصہ تھا اور برے ناموں کی تبدیلی کے اسرار و رموز سے آگاہی آپ ہی کی ذات اقدس پر ختم تھی۔

نہ کر سکیں جنہیں حل حکمتیں زمانہ کی
تیرے پیام سے ان عقدہ ہائے دل کی کشود

چمک سے آج بھی خیرہ ہے جس کی اک عالم
محیط فقر میں تیرے وہ گوھر مقصود
وہ ذات پاک ہے تیری کہ جس پہ شام و سحر
خدا اور اس کے فرشتے بھی بھیجتے ہیں درود

جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام "بشیر" تجویز فرمایا تھا "بشر" اس میں محدثین کا اختلاف ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "بشر" کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی زبان میں جسمانی اعتبار سے کچھ نقص تھا اور انہیں بولنے میں دشواری محسوس ہوتی تھی۔ ان کے بچپن کی اس مجلس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر تین طرح سے شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا ایک تو ان کا نام تبدیل فرما دیا اور دوسرے ان کے سر پر دست شفقت رکھا جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت بشر رضی اللہ عنہ اپنے بڑھاپے میں بھی یہ بات ارشاد فرماتے تھے کہ

ابیض کل شی من راسی ما خلا ما وضع یدہ علیه فکان اسود.

"میرا تمام سر سفید ہو گیا ہے۔ مگر جہاں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست شفقت رکھا تھا وہاں کے بال ابھی تک سیاہ ہیں۔"

یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مسح فرمانے کی برکت تھی۔ عام

انسانوں کی محبتیں اپنا رنگ دکھاتی ہیں یہاں تو سید الکونین ﷺ کا دست محبت تھا اس کی بناء کیسے ناپائیدار ہوتی؟

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

(ہر ایک عمارت جسے میں دیکھتا ہوں اس میں کوئی نہ کوئی عیب نظر آتا ہے مگر محبت کا محل ہر عیب سے خالی ہے)

اب بار دگر کرم فرمانے کی باری تھی۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ کا بچپن اور زبان کا عارضہ۔ اس بچے کو اپنے قریب بٹھالیا اور پھر اس کا منہ کھلوا کر ان کی زبان پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فانحلت العقدة من لسانی.

اس لعاب مبارک کی برکت سے میری زبان کی گرہ ختم ہو گئی۔

حضرت بشر بن عقربۃ رضی اللہ عنہما کا مسئلہ جو زندگی بھر کے لیے باعث تکلیف تھا' جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کی برکت سے لمحوں میں حل ہو گیا۔ جس مسئلے کا حل جس عقدے کی تحلیل اور جس مرض کی دوا پوری کائنات میں نہ تھی وہ اپنا درد کہاں لے جاتا اور اپنے دکھ کی دوا کہاں پاتا؟

جنہیں جہاں میں کہیں بھی اماں نہیں ملتی
وہ قافلے یہاں آ کر قیام کرتے ہیں

مسافروں کو ترا در ہے منزل آخر
یہیں سب اپنی مسافت تمام کرتے ہیں
زمیں کو عرش معلیٰ ہے تیرا گنبد سبز
تیری گلی میں فرشتے قیام کرتے ہیں

حضرت بشر بن عقربہ رضی اللہ عنہما فلسطین تشریف لے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(١) طبقات ابن سعد- ج : ٢، ص : ٤٦، من قتل من المسلمين يوم احد.

(٢) عيون الاثر - ج : ٢ ، ص ٤٣، ذكر من استشهد يوم احد.

(٣) مجمع الزوائد- ج : ٨، ص : ٩٩- كتاب الادب باب تغيير الاسماء و ما نهى عنه فيها و ما يستحب.

(٤) اسد الغابة- ج : ١، ص ١٨٨، ١٩٧، باب الباء و الشين.

(٥) التاريخ الكبير- ج : ٢، ص ٧٨، باب الباء من اسمه بشر- باب العين- ١٧٥١- بشر بن عقربة.

(٦) تهذيب التهذيب - ج : ١، ص ٤٨٥- حرف الباء- من اسمه بشير.

(٧) الاصابة- ج : ١، ص : ١٥٤، حرف الباء، باب - ب- ش- ذكر من اسمه بشر بالكسر و المعجمة- ٦٧١-(بشر) بن عقربة الجهنى ابو اليمان رضى الله عنهما.

(٨) تعجيل المنفعه، ج : ١، ص ٣٤٨: حرف الباء الموحدة- ٩٦- (أ)- بشر بن عقربة.

❁❁❁

(۵) حضرت جرھد بن خویلد رضی اللہ عنہ

محدث شہیر اور حافظ کبیر سلیمان بن داؤد بن جارود البصری المشہور بابی داؤد الطیالسی المتوفی ۲۰۴ھ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مسند ابی داؤد طیالسی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مسند میں ان کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ان الله عزوجل نظر فی قلوب العباد فاختار محمدا فبعثه برسالته وانتخبه بعلمه ثم نظر فی قلوب الناس بعده فاختار له اصحابه فجعلهم انصار دینه و وزراء نبیه صلی الله علیه وسلم فما راه المومنون حسنا فهو عند الله حسن و ما راه قبیحا فهو عندالله قبیح.

"اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کے دلوں کو دیکھا اور پھر ان میں سے جناب رسول اللہ ﷺ کا انتخاب فرمایا- اپنی طرف سے رسالت دے کر انھیں دنیا میں بھیجا اور اپنے علم کے لئے ان کا انتخاب فرمایا- پھر اس کے بعد دوبارہ دنیا کے تمام لوگوں کے دلوں پر نظر فرمائی اور اپنے نبی جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کے دوستوں کا انتخاب فرمایا' پھر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے اپنے دین کی مدد فرمائی اور انہیں جناب

رسول اللہ ﷺ کے وزراء بنایا- سو لوگو یہ ایمان والے جس چیز کو اچھا دیکھیں تو وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً اچھی ہے اور یہ ایمان والے جس چیز کو برا دیکھیں تو وہ چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بری ہے-"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات میں چن کر منتخب فرمایا تھا اسی طرح ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دنیا کے چنے ہوئے افراد تھے - وہ کسی اتفاق کا ثمرہ اور کسی حادثے کا نتیجہ نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اس جماعت کو بھی پورے عالم سے منتخب فرمایا تھا- ان کی خوشنودی محض ایک جماعت کی خوشنودی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا تھی اور ان کی عدم پسند اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مظہر تھی- وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا پیمانہ تھے اور ان کا اجماع حجت قاطع تھا- خلیفۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت' ایک جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف باقاعدہ جہاد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وہ فیصلے جنہیں اس اجماع کی تائید حاصل تھی' ہمارے اس دعوے کے روشن دلائل ہیں- شریعت مطہرہ کے تمام فیصلوں کے دلائل میں فقہاء امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل پیش کرتے رہے ہیں اور اسلام کی ہر وہ تعبیر و تشریح جسے اس مقدس و پاکیزہ جماعت کے اقوال و

اعمال کی تائید حاصل نہیں ہے وہ اور تو جو کچھ بھی ہو، بہر حال حق نہیں ہو سکتا - اسی طرح اسلام کے نام پر پچھلے ڈیڑھ ہزار برس میں جو بھی گمراہی آئی ہے، یہ اصحاب صدق وصفا علیہم الرحمۃ والرضوان اس گمراہی کے بانیوں اور اس گمراہی کے پھیلانے والوں کی تنقید و تنقیص کا خاص ہدف رہے ہیں - سوچنے کا مقام ہے کہ اس دین کو جناب رسول اللہ ﷺ سے امت تک کس نے منتقل کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ اور امت مسلمہ کے درمیان کا واسطہ کیا ہے؟ یہ واسطہ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور اگر یہ واسطہ ہی مشکوک اور محل نظر رہے تو پھر اس دین کا اعتبار ہی کیا رہ جاتا ہے؟ اگر کوئی شخص ان وسائط و وسائل کو مامون نہیں سمجھتا اور ان کو کذب و خیانت کا مرتکب ٹھہراتا ہے تو پھر اسے اس دین سے چمٹے رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ایک طرف تو نقل مشکوک ہو اور دوسری طرف اس مشکوک دین کو اپنانے کا جذبہ بھی ہو تو یہ غیر منطقی اور غیر معقول حرکت وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے دین کو کھیل کود کا مصداق سمجھ رکھا ہو - حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اس نکتے کی خوب وضاحت کی ہے - چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

وطعن کردن در اصحاب فی الحقیقة طعن کردن ست به پیغمبر خدا جل شانه. ما امن برسول الله من لم یوقر اصحابه. چه خبث اینها منجربه خبث

صاحب ایشاں می شود نعوذ بالله سبحانه من هذا الاعتقاد السوء و ایضًا شرائع که از راه قران و احادیث بما رسیده است بتوسط نقل ایشانست هر گاه ایشان مطعون باشذ نقل ایشان نیز مطعون خواهد بود. (دفتر اول، حصہ دوم، مکتوبات نمبر ۸۰).

"اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید و تنقیص درحقیقت جناب رسول اللہ ﷺ پر تنقید و تنقیص ہے - جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقار کا خیال نہیں رکھتا وہ درحقیقت جناب رسول اللہ ﷺ پر ہی ایمان نہیں رکھتا کیونکہ ان سے نفرت کی وجہ سے آہستہ آہستہ جناب رسول اللہ ﷺ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور ہم اس بد اعتقادی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ تمام شریعت جو کتاب و سنت ہے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سے منقول ہے - اور اگر وہ حضرات قابل اعتراض ہیں تو پھر اس طرح تو ان کی نقل کردہ شریعت بھی قابل اعتراض ہو گی -"

جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شناخت مختلف ناموں سے ہونے لگی تھی - وہ حضرات جو مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ عازم ہجرت ہوئے، مہاجرین کہلائے - مدینہ طیبہ کے جن حضرات نے انہیں ٹھکانہ دیا اور دل و جان سے انہیں خوش

آمدید کہا اور مخدوم ٹھہرایا' وہ انصار کہلائے۔ پھر جن حضرات نے کفرو اسلام کے پہلے معرکے ''بدر'' میں داد شجاعت دی وہ ''بدری'' کہلائے اور جنہوں نے ایک درخت کے نیچے حدیبیہ میں رسول کریم ﷺ کے دست اقدس پر ''موت'' کی بیعت کی' وہ ''اصحاب بیعت رضوان'' کے عنوان سے پہچانے گئے۔ اگرچہ یہ تمام حضرات محبوب' مقبول' مرحوم اور مغفور تھے بلکہ جنہیں بار بار اور کئی ایک مواقع پر زبان رسالت نے جنت کی نوید سنائی انہیں عشرۂ مبشرہ کہا گیا اور جو فتح مکہ سے پہلے ایمان و ہجرت سے بہرہ ور ہوئے تھے اور جو فتح مکہ پر ایمان لائے تھے ان کے مراتب ومدارج میں فرق کیا گیا۔ امہات المومنین کا شرف علیحدہ تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی بنات مطہرات اور ان کی اولادوں کے فضائل و مناقب میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رطب اللسان تھے۔ سبھی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور فضل کا وعدہ فرمایا اور سبھی کو جنت میں اپنے محترم نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ رہنے کی بشارت سنائی۔

وہ صدیق وہ جلوہ گاہ محمد
وہ فاروق وہ عز و جاہ محمد
وہ عثمان وہ شمع بزم رسالت
وہ حیدر وہ نور نگاہ محمد
وہ خاتون جنت وہ مصباح ایماں
وہ حسنین وہ مہر و ماہ محمد

وہ حضرت کی زوجہ جناب خدیجہؓ
وہ غم خوار وہ خیر خواہ محمد
وہ صدیقہ پاک روح شریعت
وہ تنویر شام و چاہ محمد
وہ جس کا حرم رشک فردوس اعلیٰ
کہ اب تک ہے آرام گاہ محمد
وہ حمزہ وہ جعفر' زبیر اور طلحہ
ہیں سب خادم بارگاہِ محمد
سعید' عبدالرحمٰن و سلمان و مصعب
اسیرانِ زلف سیاہِ محمد
بلال و اسامہ ابوذر غفاری
وہ عمرو ابن عاص وہ سپاہ محمد
معاذ و ابوموسیٰ و بوہریرہ
انس عارف خانقاہ محمد
وہ ملبوس رحمت ردائے مبارک
وہ سب فاضل درسگاہِ محمد

رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعن صاحبھم الصلاۃ والسلام۔

اس پاکیزہ گروہ میں ایک جماعت ''اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم'' کے نام سے موسوم تھی۔

مکہ مکرمہ، حبشہ اور جزیرہ عرب کے کسی خطے اور کسی قبیلے کا فرد اسلام قبول کرنے کے بعد جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آتا تو اس کا ٹھکانہ یا تو اس کے اعزاء ہوتے اور یا وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ پڑتا۔ آپ ایسے تمام افراد کے کفیل بن جاتے اور ان کی جملہ ضروریات آپ کے ذمے آجاتیں۔ ان افراد کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ تعداد چار سو تک پہنچ گئی۔ خوردونوش کا بندوبست کیسے ممکن تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاں چاند پر چاند گذر جاتا اور شکم سیر ہو کر کھانے کی نوبت نہ آتی تھی۔

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی ہی میں رہتے تھے۔ کوئی گھر یا دیگر ٹھکانہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ تھی۔ پورا بدن ڈھانپنے کے لئے نہ کپڑے تھے اور نہ ہی سردی یا گرمی سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ تھا۔

حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

و یکثرا المهاجرون الی المدینة من الفقراء والاغنیاء، واهلین والعزاب فکان من لم یتیسرله مکان یاوی الیه، یاوی الی تلك الصفة التی فی المسجد، و لم یکن جمیع اهل الصفة یجتمعون فی وقت واحد بل منهم من یتاهل او ینتقل الی مکان اخر یتیسرله. و یجی ناس بعد ناس فکانوا تارة یقلون، و تارة یکثرون، فتارة یکونون عشرة او اقل. و تارة یکونون عشرین و ثلاثین و اکثر و تارة یکونون ستین و سبعین. و اما جمله من اوی الی الصفة مع تفرقهم، فقد قیل: کانوا نحو اربعمائة من الصحابة.

(مجموع فتاوی ج: ۱۱، ص ۴۱، جملة من اوی الی الصفة)

"اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ ان میں فقراء بھی تھے اور اغنیاء بھی۔ شادی شدہ حضرات بھی تھے اور کنوارے بھی۔ جن لوگوں کی رہائش کا کوئی بندوبست نہ تھا انہوں نے مسجد نبوی کے چھپر (صفہ) کے نیچے ٹھکانہ کیا۔ یہ تمام اصحاب صفہ کسی ایک ہی وقت میں مسجد میں جمع نہیں ہوئے بلکہ بعض کی شادی ہوگئی یا کسی کو رہائش کے لئے کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر آیا تو وہ وہاں منتقل ہوگیا۔ لوگ پے در پے آتے رہے اور منتقل ہوتے رہے۔ اس وجہ سے کبھی ان کی تعداد کم ہو جاتی تھی اور کبھی زیادہ۔ بعض اوقات یہ اصحاب صفہ دس سے بھی کم تعداد میں رہ گئے کبھی بیس تیس ہوگئے اور پھر مزید لوگ آگئے تو یہ تعداد ساٹھ یا ستر تک جا پہنچی۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صفہ میں قیام کیا تھا خواہ وہ بعد میں وہاں سے تشریف لے

گئے ہوں ان کی تعداد تقریباً چار سو تک شمار کی گئی ہے۔"

اس پوری بے سروسامان جماعت کا گذارہ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور توکل سے تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی شفقتیں تھیں اور اسلام سے محبت اور تادم آخریں اس سے وابستہ رہنے کا یہ لازوال جذبہ تھا ورنہ مادی اسباب وسامان کے اعتبار سے مکمل طور پر عالم فقر تھا۔

یہ سب ایثار و قربانی اس دین کی وجہ سے تھی جس کے نام لیوا آج پیٹ بھر بھر کر میٹھا کھاتے ہیں اور فقر وزہد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کو طاق نسیاں میں رکھ کر بہت خوشی اور فخر سے یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ کھانے کے بعد میٹھا تو حضور ﷺ کی سنت ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت تو زہد اور بے رغبتی تھی۔ وہاں تو فقر و فاقہ تھا، ایثار و قربانی تھی، مہینوں کھجور اور پانی کے علاوہ کھانا ملنا دشوار تھا۔ میٹھا کھانا کہاں سے سنت تھی؟ جناب رسول اللہ ﷺ کی مٹھاس سے رغبت مسلمہ مگر تعیشات ولذت کام و دہن کی دنیا ایک الگ جہان ہے۔ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے اپنے شباب کا خون دے اسلام کے اس نوخیز پودے کو سینچا تھا۔ انہوں نے اپنی جوانیاں، اپنی تمنائیں اور امنگیں قربان کر کے اللہ کے دین کی مدد کی تھی۔ کیا وہ انسان نہ تھے؟ کیا ان کے سینوں میں خواہشات سے بھرپور دل نہ دھڑکتے تھے؟ کیا وہ عیش وتنعم کی لذات سے بے خبر تھے؟ انہیں سب کچھ معلوم تھا۔ وہ ان لذات سے خوب باخبر تھے اور اگر اس میدان کی طرف متوجہ ہوتے تو

یہ ان کی دسترس سے باہر بھی نہ تھا مگر وہ اس عالم سے شناسا تھے جس کی ایک ایک نعمت اس پوری کائنات سے زیادہ دلربا تھی اور وہ اپنی متاع جاں کا سودا اس ذات سے کر چکے تھے جس ذات سے زیادہ قدردان کسی کو جاننا ان کے مسلک میں شرک کے مترادف تھا۔ آج ہم اس دین کے لئے قربانی کیوں نہیں دیتے؟ ہم اپنی امنگوں اور خواہشات کا خون کرنا تو کجا نماز فجر کے لئے نیند کی قربانی نہیں دے سکتے۔ پوری ڈھٹائی کے ساتھ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پامال کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی اطاعت اور اپنے مالک کی نافرمانی صبح سے شام تک جاری ہے اور اس پر زعم یہ کہ ہمارے ہاتھوں سے خدا کا دین غالب آجائے گا اور یہ امید ہے کہ اسلام کا پرچم ہم جیسے بلند کریں گے۔ ان اعمال کے ساتھ یہ نعرے، یہ دعوے اور امیدیں ایسی ہی ہیں جیسے کوئی شخص کیکر کا درخت لگائے اور گلاب لگنے کی توقع رکھے۔

ان اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے اپنا تن، من، دھن سبھی کچھ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ بھوک اور فقر و فاقہ ان سے چمٹ گئے تھے۔ لباس اتنا بھی میسر نہ تھا کہ ستر ڈھانپنے کو کفایت کر جاتا۔ سر چھپانے کو مسجد نبوی اور بس--- نہ سردی سے تحفظ نہ گرمی سے پناہ۔ عین عالم شباب اور نکاح و شادی سے دور بالکل مجردانہ زندگی۔ اس مجاہدانہ زندگی اور کردار کی جفاکشی نے اپنے اثر کو پوری دنیا پر مرتب کیا۔ مر مٹے، پگھلے، پیوند خاک ہوئے اور پھر جب اٹھے تو کائنات میں غلغلہ مچ

گیا- بڑھے ' غالب ہوئے اور چھا گئے-

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے   مے توحید کو لے کر صفت جام پھرے

کوہ میں دشت میں لے کر تیرا پیغام پھرے   اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

صفحہ دھر سے باطل کو مٹایا ہم نے   نوع انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے   تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفا دار نہیں

ہم وفا دار نہیں' تو بھی تو دلدار نہیں

حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی جس فاقہ کشی کا تذکرہ سطور بالا میں گذرا ہے ' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی حضرات کے بیانات کی روشنی میں اس کو دیکھا جائے- حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صلی بالناس یخبر رجال من قامتهم فی الصلاة لما بهم من الخصاصة و هم اهل الصفة حتی تقول الاعراب ان هؤلاء مجانین فاذا قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلاة الضرف الیهم فیقول لو تعلمون مالکم عندالله عزوجل لا جبتکم لو انکم تزدادون حاجة و فاقة. قال فضالة: و

انا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم یومئذ. (شعب الایمان للبیهقی ج ۷ ص ۲۸۲ الحادی والسبعون من شعب الایمان و هو باب فی الزهد و قصرالامل رقم الحدیث: ۱۰۳۱۶).

"جناب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تشریف لاتے تو اطلاع دی جاتی کہ فلاں فلاں آدمی جو اصحاب صفہ میں سے ہیں' فاقے اور کمزوری کی وجہ سے نماز میں قیام تک نہیں کر سکتے اور جو لوگ دیہات سے آتے تھے ' لاعلمی کی وجہ سے ان اصحاب صفہ کو کہتے تھے کہ یہ لوگ تو پاگل معلوم ہوتے ہیں- اور پھر جب جناب رسول اللہ ﷺ نماز مکمل فرما لیتے تو ان اصحاب صفہ کی طرف توجہ فرماتے اور ارشاد فرماتے اگر تمہیں علم ہو جائے کہ اللہ تعالی نے تمہارے لئے کیا کیا درجات رکھے ہیں تو تم اللہ تعالی سے اس فقر و فاقے میں اضافے کی دعا مانگنے لگو- پھر حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات جس دن کی ہے' میں اس دن جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا-"

ضعف کی حد ہے کہ نماز میں قیام دشوار ہے اور ایمان کی یہ قوت کہ جناب رسول اللہ ﷺ جس جہان کی خبر دے رہے ہیں' یہ گویا کہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور خوش ہیں-

روایت حدیث میں امیر المومنین اور اپنے میدان کے در یکتا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ وہ اپنی حالت بیان فرماتے تھے کہ:

واللہ الذی لا الہ الا ھو ان کنت لا عتمد بکبدی علی الارض من الجوع و ان کنت لاشد الحجر علی بطنی من الجوع. (ایضاً ص: ۲۸۴)

"اللہ تعالیٰ کی قسم میں اپنا جگر بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر زمین پر لگا دیتا تھا تاکہ زمین کی ٹھنڈک سے کچھ سکون ملے اور اس بھوک ہی کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا تاکہ معدہ نہ پھیلے۔"

پھر وہ اپنے دوسرے دوستوں یعنی اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کا حال بیان فرماتے تھے۔

و اھل الصفة اضیاف الاسلام لا یاوون الی اھل و لا مال اذا اتته صدقة بعث بھا الیھم و لا یتناول منھا شیئا و اذا ابتته ھدیة الرسل الیھم فاصاب منھا و اشرکھم فیھا. (ایضاً)

"وہ تو اسلام کے مہمان تھے۔ نہ تو ان کے اہل و عیال تھے اور نہ ان کے پاس کوئی مال ہوتا تھا۔ جب جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ آتا تھا تو آپ (وہ صدقہ) انہیں بھیج دیتے

تھے اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھاتے تھے اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تھا تو اس میں سے آپ اپنے لیے بھی رکھتے تھے، اور انہیں بھی اس میں شریک کرتے تھے۔"

کیا ٹھکانہ ہے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر کا اور کیا عالم ہے ان کی پاکیزگی کا کہ بھوک سے گر رہے ہیں، کھڑے ہونے کی طاقت نہیں مگر صبر سے کام لے رہے ہیں اور کسی کے مال پر نظر نہیں، کوئی لوٹ کا عالم نہیں۔ کیا آسمان نے ان کے بعد ان جیسے بھی کبھی دیکھے ہوں گے؟ حضرت امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اعوان و انصار (کہ شاید وہ اپنے دور میں ان حضرات رضی اللہ عنہم کی ایک درخشاں مثال تھے) کے علاوہ تاریخ ان کی مثال لانے سے عاجز ہے۔

ایک مرتبہ اسی عالم فقر و فاقہ میں ان اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم سے جناب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

انتم الیوم خیر ام انتم یوم تغدون فی حلة و تروحون فی حلة و تغد و علیکم قصعة و تروح اخری.

"تم آج اس تنگدستی کے دن اچھے ہو یا اس دن بہتر ہو گے جب تم صبح و شام لباس تبدیل کرو گے اور صبح کا کھانا تمہیں اور میسر ہو گا اور شام کو کچھ اور کھایا کرو گے؟"

تو انہوں نے عرض کیا:

و انا لنزانا یومئذ خیرا منا الیوم.

''ہمارا خیال ہے کہ آج کے دن سے وہ دن ہمارے لیے زیادہ اچھے ہوں گے۔''

ارشاد فرمایا:

کلا والذی نفس محمد بیده لانتم الیوم خیر منکم یومئذ. (ایضًا ص : ۲۸۷)

''ہرگز نہیں جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اس کی قسم تم اس دن سے زیادہ آج اچھے ہو۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح غیور فقر کی تربیت فرمائی تھی۔ اس ''صفہ'' میں وہ زاہد اور قلندر پیدا ہو رہے تھے جن کی نگاہ میں ساری کائنات ہیچ تھی۔

نہ تخت و تاج میں' نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امسی قسم ناسا من اہل الصفة بین ناس من اصحابه' فکان الرجل یذہب بالرجل' والرجل یذہب بالرجلین' والرجل

یذہب بالثلاثة حتی ذکر عشرة' فکان سعد بن عبادة یرجع کل لیلة الی اہل بثمانین منہم یعشیہم.

(حلیة الاولیاء ج ۱ ص ۳۴۱. ذکر اہل الصفة)

''جب شام ہوتی تھی تو جناب رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ کوئی شخص ایک آدمی کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے لے جاتا تھا اور کوئی دو کو اور کوئی تین کو اور کوئی اس سے زیادہ یہاں تک کہ دس کا تذکرہ فرمایا۔ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تو ہر رات اپنے ہمراہ اسی افراد کو کھانا کھلانے کے لئے لے جاتے تھے۔''

یہ مصیبتیں جھیلنا اور تکالیف سہ کر اندیشۂ سود و زیاں سے برتر عشق کے سمندر میں غوطے لگا کر جینا' یہ اسلام کا اصل مزاج ہے۔ خام عقل کی رسائی اس مقام تک کیونکر ممکن ہے؟ عقل کے پروردہ سیل عشق الٰہی کو کیسے تھام سکتے ہیں۔

الصفة : کا مطلب لسان العرب میں بیان کیا گیا ہے کہ:

و ہو موضع مظلل من المسجد کان یاوی الیه المساکین. (ج : ۹' ص ۱۹۰)

''مسجد نبوی میں وہ سایہ دار جگہ جہاں غرباء و مساکین ٹھہرا کرتے تھے۔''

حضرت طلحہ النضری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

کان الرجل اذا قدم المدینة و کان له بها عریف نزل علی عریفه فان لم یکن بها عریف نزل الصفة قال فکنت فیمن نزل الصفة.(شعب الایمان للبیهقی ج ۷ ص ۲۸۴)

"جب کوئی شخص ہجرت کر کے مدینہ منورہ آتا تھا تو اپنے کسی شناسا کے ہاں ٹھہرتا تھا اور اگر اس کا کوئی شناسا نہیں ہوتا تھا تو پھر وہ صفہ میں پناہ لیتا تھا اور میں بھی انہی لوگوں میں ایک تھا جو کہ صفہ میں ٹھہرے تھے۔"

لہذا صفہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک سایہ دار جگہ یا چھپر تھا جہاں یہ مردان حر ہر دم جواں زندگی کے ایام بسر کرتے تھے۔ موسمی تغیرات سے تحفظ کیا کچھ ہوتا ہوگا اس کا اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں ہے۔ سردی اور گرمی کا لباس تو کجا یہاں "ستر عورت" دشوار تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

لقد کان اصحاب الصفة سبعین رجلا ما لهم اردیة.(شعب الایمان للبیهقی ج ۷، ص: ۲۸۳، باب فی الزهد و قصر الامل رقم الحدیث: ۱۰۳۲۰)

"اصحاب صفہ ستر آدمی تھے جن کے پاس تن ڈھانپنے کو چادریں بھی نہ تھیں۔"

حضرت ابوہریرہ جس وقت تشریف لائے ہیں اس وقت ستر افراد موجود تھے وگرنہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تو کہیں زیادہ رہی

ہے۔ پھر انہی کے متعلق مزید فرماتے ہیں۔

رایت سبعین من اهل الصفة یصلون فی ثوب فمنهم من یبلغ رکبتیه، و منهم من هو اسفل من ذلك فاذا رکع احدهم قبض علیه مخافة ان تبدو عورته.(حلیة الاولیاء ج:۱ ص ۳۴۱، اصحاب الصفة)

"میں نے ان ستر افراد کو دیکھا ان کے جسم پر ایک چادر ہوتی تھی جو بعض حضرات کے گھٹنوں تک کا جسم ڈھانپ لیتی تھی اور بعض کا یہ کپڑا گھٹنوں سے نیچے پہنچ جاتا تھا اور ان میں سے جب کوئی شخص رکوع کرتا تھا تو اپنی چادر کو سنبھال لیتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں برہنہ نہ ہو جائے۔"

یہ چادریں کیسے پہنتے تھے؟ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

یشهدون الصلاة عاقدی ازارهم فی اعناقهم.

(شعب الایمان ج: ۷ ص ۲۸۲).

"یہ حضرات اپنے گلوں میں چادریں لٹکا کر نماز میں حاضر ہوتے تھے۔"

اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں:

امر النساء علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لا یرفعن رووسهن من السجود حتی یاخذ الرجال

مقاعد هم من ضيق ازرهم. (ایضاً)

”جناب رسول اللہ ﷺ کے دور میں عورتوں کے لئے نماز میں یہ ہدایت تھی کہ جب تک مرد اچھی طرح بیٹھ نہ جائیں عورتیں سجدے سے سر نہ اٹھائیں کیونکہ مردوں کے پاس اچھی طرح ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑے نہیں ہوتے تھے۔“

حضرت سہل رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں۔

كانوا يصلون مع النبي صلى الله عليه وسلم وهم عاقدون ازرهم من الصغر على رقابهم فقيل للنساء لا ترفعن رووسكن حتى يستوي الرجال جلوسا. (ایضاً)

”یہ اصحاب صفہ اس حال میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے کہ ان کی چھوٹی چھوٹی چادریں ان کے گلوں میں لٹک رہی ہوتی تھیں اور عورتوں سے کہا جاتا تھا کہ جب تک مرد اچھی طرح بیٹھ نہ جائیں، سجدے سے اپنے سر مت اٹھانا۔“

کھانے کا حال پہلے گذر چکا اور لباس کا معاملہ یہ تھا۔ زندگی کی حقیقت تو کوئی ان سے پوچھتا۔ ”وصل“ اور ”قرب“ کی منازل تو انہی کا حصہ تھیں۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں کسی نظریے کے تحت بسر کیں اور کسی نظریے کے فروغ کے لئے کام کیا۔ قربانیاں دیں اور اپنے نظریات کے پرچار میں سوفی صد کامیاب رہے۔ فلاح نے انہی کے

قدم چومے اور ایثار کو انہی نے جھکا دیا۔

ان حالات میں ازدواجی زندگی کا کیا تصور ہو سکتا تھا؟ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كنت من اصحاب الصفة و ما منا انسان عليه ثوب تام و قد اتخذ العرق في جلودنا طرقًا من الغبار و الوسخ. (ایضاً)

”میں اصحاب صفہ میں سے ایک تھا اور ہم میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جس کے تن کے کپڑے پورے ہوں اور جسم پر گرد و غبار اور میل کچیل اتنا جم جاتا تھا کہ ہماری جلد پر پسینے نے بہہ بہہ کر اپنا راستہ (لکیر) بنالی تھی۔“

یہی وہ گرد آلود ”چہرے“ تھے جن کے ہاتھوں کی لاج رکھی جاتی تھی اور یہی وہ پاکیزہ لوگ تھے جنہوں نے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلایا اور اپنے جسم پر دھوپ اور سردی برداشت کر کے انسانیت کے تن کو بچایا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی ”خانقاہ“ کے یہ ”درویش“ تھے اور اس ”مدرسے“ کے یہ ”طالب علم“ تھے جہاں اخلاقیات کے پیمانے اور انسانیت کے اصول طے کیے جا رہے تھے۔ یہ ان کے تربیتی مراحل تھے۔ اور ان کا پروردگار خود ان کا مربی تھا۔ جن لوگوں کو آج ان میں کمی محسوس ہوتی ہے وہ یا تو اپنی حس کا جائزہ لیں اور یا پھر ان کی بجائے اس پر تنقید کریں جس نے ان کی تربیت کی تھی۔ یہ کٹھالی کا سونا اور تکلے کی

سیدہ تھے - اللہ کے برگزیدہ بندے اور اس کے رسول ﷺ کا سرمایۂ حیات -

ان حضرات کے اسماء گرامی کی فہرست دیکھیے ان میں کیسی کیسی قد آور شخصیات ہیں - تمام ناموں کا استقصاء تو دشوار ہے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" اور حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "حلیۃ" میں جو نام لکھے ہیں انہیں حروف تہجی کے اعتبار سے یہاں نقل کیا جاتا ہے - جن ناموں کے سامنے کوئی حوالہ نہیں وہ حضرت حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیے ہیں - جن ناموں کے سامنے "حاکم" لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تذکرہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مستدرک میں کیا ہے اور جن کے سامنے صرف "مستدرک" لکھا ہے اس کا معنی یہ ہیں کہ ان اسماء کے تذکرے میں امام حاکم منفرد ہیں، حافظ ابو نعیم نے ان کا تذکرہ نہیں کیا -

(ا)

(۱) حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۲) حضرت ابو ریحانہ شمعون الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۳) حضرت ابو رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۴) حضرت ابو عبد اللہ الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ - (مستدرک)

(۵) حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ - (مستدرک)

(۶) حضرت ابو اعسیب مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۷) حضرت ابو فراس الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ - یہ وہ ہیں جنہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے دن اپنے ہمراہ رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا -

(۸) حضرت ابو کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۹) حضرت ابو مویہبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ سیدنا رسول اللہ ﷺ -

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی -

(۱۱) حضرت اسماء بن حارثہ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۱۲) حضرت الاغر بن مزینہ المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۱۳) حضرت الطفاوی الدوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۱۴) حضرت اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(ب)

(۱۵) حضرت براء بن مالک الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ - یہ ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اگر یہ اللہ کے بھروسے پر کسی کام پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھ لے -

(۱۶) حضرت بشیر بن معبد بن شراحیل بن سبیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۱۷) حضرت بلال بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ - جناب رسول اللہ ﷺ کے مشہور موذن -

(ث)

(۱۸) حضرت ثابت بن الضحاک الانصاری ابوزید رضی اللہ عنہ - ان کا شمار اہل صفہ میں ہونا دشوار ہے کیونکہ یہ مدینہ طیبہ ہی کے رہنے والے تھے -

(۱۹) حضرت ثابت بن ودیعہ الانصاری رضی اللہ عنہ - ان کا شمار امام حاکم نے بھی اصحاب صفہ میں کیا ہے لیکن ان کے متعلق بھی خیال ہے کہ یہ اصحاب صفہ میں سے نہیں ہیں کیونکہ مدینہ طیبہ ان کا اپنا شہر تھا -

(۲۰) حضرت ثقیف بن عمرو بن شمیط الاسدی -

(۲۱) حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ -

(ج)

(۲۲) حضرت جاریہ بن حمیل بن شبر بن قرط رضی اللہ عنہ -

(۲۳) حضرت جرھد بن خویلد رضی اللہ عنہ - ان کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے -

(۲۴) حضرت جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ - ان کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ساری دنیا سرمایہ داروں سے بھر جائے تو یہ ایک اکیلا جعیل ان تمام سرمایہ داروں سے اچھا ہے -

(۲۵) حضرت جندب بن جنادہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی -

(ح)

(۲۶) حضرت حارثہ بن نعمان الانصاری النجاری رضی اللہ عنہ - یہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں - غزوۂ حنین میں جو اسی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں سے ایک ہیں - جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو جنت میں دیکھا - پھر کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی تو میں نے فرشتوں سے پوچھا یہ کس کی آواز ہے تو انہوں نے بتایا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں - اس خواب کو بیان فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا نیک لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، نیک لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں -

(۲۷) حضرت حازم بن حرملہ الاسلمی رضی اللہ عنہ -

(۲۸) حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ - یہ انصاری، ازدی اور بنو نجار میں سے تھے - انہوں نے مسیلمہ کذاب کے سامنے جناب رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کی گواہی دی اور جب اسے نبی ماننے سے انکار کر دیا تو اس جھوٹے مدعی نبوت نے آپ کو شہید کر دیا - حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے شہدائے ختم نبوت میں سے ایک تھے -

(۲۹) حضرت حجاج بن عمرو الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -(حاکم)

(۳۰) حضرت حذیفہ بن اسید ابو سریحہ الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۳۱) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما - انہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں منافقین سے آگاہ فرما دیا تھا - حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ منافقت سے شدید نفرت تھی اور وہ منافقین سے سخت بیزار تھے اس لئے وہ کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھاتے تھے - مگر اس علم کے لئے کہ میت منافق ہے یا نہیں وہ غیر معروف جنازے پر دریافت فرما لیتے تھے کہ جنازہ پڑھنے والوں میں حضرت حذیفہ بن یمان ہیں یا نہیں - اگر یہ نہ ہوتے تو وہ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منافقین کے نام بتا دیے تھے - انہیں "صاحب السر" یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کے راز دار بھی کہا جاتا تھا - ان کے والد یمان رضی اللہ عنہ بھی رسول کریم ﷺ کے صحابی تھے - غزوۂ احد میں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا -

(۳۲) حضرت حرملہ بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۳۳) حضرت حکم بن عمیر الثمالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۳۴) حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ - غزوۂ احد میں ان کی شہادت پر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ انہیں جنت میں

لے جانے سے پہلے فرشتوں نے غسل دیا ہے - ان کے گھر والوں سے پوچھو کہ کیا بات تھی؟ تو ان کے گھر والوں نے بتایا تھا کہ یہ جب گھر سے جہاد کے لئے چلے تھے تو ان پر غسل واجب تھا - اسی وجہ سے انہیں "غسیل الملائکہ" بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ جسے فرشتوں نے غسل دیا ہو -

(خ)

(۳۵) حضرت خالد بن یزید ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ - یہ اصحاب صفہ میں سے کیسے ہو سکتے تھے جب کہ ہجرت کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی انہی کے گھر پر رکی تھی - یہ ان حضرات میں سے تھے جو بیعت عقبہ میں شامل تھے - بعض محدثین اور مؤرخین نے اصحاب عقبہ کو جو اصحاب صفہ میں شامل کر لیا ہے، یہ غلطی بھی ایسی ہی ہے - مدینہ طیبہ میں ان کا گھر تھا جہاں جناب رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تھا - ترکی کے شہر استنبول میں آج بھی ان کی قبر موجود ہے -

(۳۶) حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ - یہ سابقین اولین میں سے ہیں - ان سے پہلے صرف پانچ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسلام قبول کیا تھا - بدر اور تمام غزوات میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے تھے اور یہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہیں کفار مکہ نے اللہ کی راہ میں ستایا تھا - انہیں تکالیف

پہنچائی گئی تھیں اور ان کے جسم اقدس پر جلنے کے داغ تھے۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو ان کے داغ دکھاتے تھے
کہ انہوں نے اس دین کے لئے کتنی قربانیاں دی تھیں۔

(۳۷) حضرت خبیب بن سیاف رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کا تذکرہ اسی
کتاب میں آگے چل کر آرہا ہے۔

(۳۸) حضرت خریم بن اوس الطائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۹) حضرت خریم بن فاتک الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ بھی
بدری تھے۔

(۴۰) حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ مہاجرین
میں سے اور بدری تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد
تھے۔ مدینہ طیبہ میں انہی کی وفات کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ
نے ان کی بیوہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نکاح
کیا تھا۔

(د)

(۴۱) حضرت دکین بن سعید المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اصحاب صفہ
میں ان کا شمار ہونا دشوار ہے۔

(ر)

(۴۲) حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہیں جناب

رسول اللہ ﷺ نے جنت میں اپنے ساتھ رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

(۴۳) حضرت رفاعہ ابو لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض روایات میں ان
کا اسم گرامی بشیر بن عبد المنذر بھی وارد ہوا ہے۔ (حاکم)

(۴۴) حضرت زید بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بدری اور حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف
یمامہ میں شہید ہوئے۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کو ان سے بہت شدید محبت تھی۔ غزوۂ احد میں یہ بہت نڈر ہو کر
داد شجاعت دے رہے تھے اور ڈر تھا کہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آ
جائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنی ڈھال دی کہ
اپنا بچاؤ بھی کرتے رہیں تو انہوں نے ڈھال دیکھ کر فرمایا عمر جس
شہادت کی تمنا میں یہاں آیا ہے، میں بھی وہی کچھ چاہتا ہوں۔ پھر
دونوں بھائیوں نے ڈھال پھینک دی اور بہت بے جگری سے
لڑے۔

(س)

(۴۵) حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مسیلمہ کذاب
کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ مسجد نبوی میں ان کی
تلاوت سن کر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔
الحمدللہ الذی جعل فی امتی مثل ھذا۔

”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں سالم جیسے اچھے قرآن پڑھنے والے پیدا فرمائے۔“

(۴۶) حضرت سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴۷) حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدری ہیں۔ غزوۂ تبوک میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو لوگ حاضر تھے اور جہاد کے لئے جانا چاہتے تھے مگر سواریاں نہ ہونے کی وجہ سے رو پڑے تھے، یہ بھی ان میں سے ایک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ان کے رونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (حاکم)

(۴۸) حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے ماموں سابقین اولین میں سے تھے۔ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں کوفہ کے امیر اور فاتح ایران تھے۔

(۵۰) حضرت سعید بن عامر بن جذیم الجمحی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں حمص کا گورنر مقرر فرمایا تھا اور انہی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ میری توقعات پر پورے اترے ہیں۔

(۵۱) حضرت سعد بن مالک ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ اگرچہ مدینہ طیبہ ہی کے رہنے والے تھے مگر اپنا گھر بار چھوڑ کر جناب

رسول اللہ ﷺ کے در پر آن پڑے تھے اور اصحاب صفہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

(۵۲) حضرت سفینہ ابو عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ش)

(۵۳) حضرت شداد بن اسید السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۴) حضرت شقران مولیٰ رسول اللہ ﷺ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ص)

(۵۵) حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بدری تھے۔ (حاکم)

(۵۶) حضرت صہیب بن سنان بن عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مستدرک)

(ط)

(۵۷) حضرت طخفتہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۵۸) حضرت طلحہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ع)

(۵۹) حضرت عامر بن عبد اللہ بن الجراح ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مشہور صحابی جنہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس امت کا ''امین'' ارشاد فرمایا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت ان کے لئے تجویز فرمائی تھی۔

(۶۰) حضرت عباد بن خالد الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۱) حضرت عبادہ بن قرص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۲) حضرت عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو ابو عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۳) حضرت عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۴) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مشہور نابینا صحابی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس نازل فرمائی۔

(۶۵) حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔(حاکم)

(۶۶) حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۷) حضرت عبداللہ بن حبشی الخثعمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶۸) حضرت عبداللہ بن حوالہ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں عراق، ایران، روم، یمن اور شام فتح ہو جانے کی خوشخبری دی تھی۔

(۶۹) حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مہاجرین میں سے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر ان کے چچا نے ان کے کپڑے اتروا کر گھر سے نکال دیا تھا۔ پھر ان کی والدہ نے انہیں دو

چادریں دیں جنہیں اوڑھ کر یہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا نام دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا ''عبدالعزیٰ'' آپ نے ارشاد فرمایا:

بل انت عبداللہ ذوالبجادین.

''نہیں تمہارا نام تو عبداللہ دو چادروں والا ہے۔''

غزوہ تبوک میں ان کا انتقال ہوا۔ جناب رسول اللہ ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنے ہاتھوں سے ان کی تدفین کی۔

(۷۰) حضرت عبداللہ بن زید الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷۱) حضرت عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انہوں نے دو ہجرتیں کی تھیں۔ پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ سے حبشہ اور پھر حبشہ سے مدینہ طیبہ۔ غزوۂ احد میں زخمی ہو گئے تھے اور پھر اسی زخم سے مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔

(۷۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ اصحاب صفہ میں تو شامل نہیں تھے مگر رات کو مسجد نبوی میں ٹھہرا کرتے تھے۔

(۷۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ پھر بدر میں شامل تھے۔ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی شہادت کے بعد اپنے سامنے بٹھایا اور ان سے باتیں فرمائیں۔ مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی کے

صاحبزادے تھے - یہ خود مدینہ طیبہ ہی میں رہتے تھے اس لیے ان کا اصحاب صفہ میں شمار کیا جانا محل نظر ہے -

(۷۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں - پہلی ہجرت مکہ مکرمہ سے حبشہ اور دوسری ہجرت وہاں سے مدینہ طیبہ کی - غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے - جناب رسول اللہ ﷺ جنات سے ملاقات کے لئے جس شب میں تشریف لے گئے تھے' ہمراہی کے لئے انہی کا انتخاب فرمایا تھا - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں کوفہ میں خلافت کی طرف سے عہدہ دیا تھا - حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی - فقہ حنفی کی انتہا جن تین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاویٰ و روایات پر ہوتی ہے' یہ ان میں سے ایک ہیں - اصحاب صفہ میں سب سے اعلیٰ اور افضل یہی ہستی تھی -[1] (مستدرک)

---

[1] مصنف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصحاب صفہ میں سے سب سے افضل ہستی اس لئے تحریر کیا ہے کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ "تفقہ فی الدین" کی دولت سے تمام اصحاب صفہ میں سے یہی ایک ہستی تھی جسے سب سے زیادہ نوازا گیا تھا - حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تفاضل کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو اس "تفقہ فی الدین" کی نعمت کبریٰ سے تمام اصحاب صفہ میں انہیں ہی سرفراز فرمایا گیا تھا - جناب رسول اللہ ﷺ کے افعال و سنن طیبہ کی حکمتوں اور ان کے تقاضوں کی سمجھ میں یہ امیرالمومنین سیدنا عمر اور امیرالمومنین

(۷۵) عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ -

(۷۶) حضرت عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

گزشتہ سے پیوستہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے ہم پلہ اور ہم شانہ ہیں - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شمار اگرچہ بعض حضرات نے اصحاب صفہ میں کیا اور اگر اسے تسلیم کر بھی لیا جائے کہ وہ اصحاب صفہ میں سے تھے تو بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے بھی افضل ہیں کیونکہ یہ بدری صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بدری نہیں تھے - انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں اور انہوں نے صرف مدینہ طیبہ کی ہجرت کی تھی - اور اس مرحلے پر تو یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہیں کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ہجرت حبشہ تو نہیں کی اگرچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی رائے میں تمام اصحاب صفہ میں افضل ترین ہستی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی - چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

و نزلها من خيار المسلمين سعد بن ابی وقاص و هو افضل من نزل بالصفة. (مجموع فتاویٰ شيخ الاسلام احمد بن تيميه ج ۱۱ ص ۶۶)

"اور "صفہ" میں بہترین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رہے ہیں جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص کہ جتنے بھی لوگ صفہ میں آئے' ان میں سب سے افضل یہ تھے -"

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن چھ حضرات کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا' ان میں سے ہیں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے زیادہ "افقہ" تھے اور ان کا "افقہ" ہونا ہی ان کا افضل ہونے کی دلیل ہے -

(۷۷) حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۷۸) حضرت عتبہ بن مسعود الھذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ - مہاجر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے -(متدرک)

(۷۹) حضرت عتبہ بن الندر السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۸۰) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ - مشہور صحابی' بارہ افراد کے بعد یہ مسلمان ہوئے -سابقین اولین میں سے تھے - پہلی ہجرت حبشہ اور دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف کی- جناب رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے -بدری بھی تھے اور غزوۂ بدر کے بعد ان کا انتقال ہوا- غالباً یہ پہلے مہاجر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہوں نے وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہونے والے بھی پہلے صحابی یہ تھے -ان کی میت کو جناب رسول اللہ ﷺ نے بوسہ بھی دیا اور آپ پر گریہ طاری ہوا اور آپ نے خود انہیں دفن فرمایا- کئی برس بعد آپ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی تدفین پر فرمایا-

الحق بسلفنا الصالح عثمان بن مظعون.

"میرے بیٹے جا ہمارے سلف صالحین عثمان بن مظعون سے مل جا-"

(۸۱) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ -یہ بھی ان صحابہ

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں جنہیں غزوۂ تبوک میں سواری نہیں مل سکی تھی اور یہ شوق جہاد میں رو پڑے تھے اور ان کے رونے کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا ہے-

(۸۲) حضرت عقبہ بن عامر الجھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۸۳) حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ - جناب رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات ارشاد فرمائی کہ اس امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے تو انہوں نے اٹھ کر عرض کیا آپ دعا فرما دیجئے میں ان میں سے ایک ہو جاؤں- آپ نے انہیں دعا دی اور آپ کے بعد ایک اور آدمی کھڑا ہوا کہ یہی دعا میرے لئے بھی ہو مگر جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا میں عکاشہ تم سے آگے بڑھ گئے- یہ بھی ختم نبوت کے شہداء میں سے تھے -(متدرک)

(۸۴) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما- مشہور صحابی' ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل مکہ نے اللہ کی راہ میں ستایا تھا اور ان کی آزمائشوں کو دیکھ کر جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ صبر کرو یاسر تم سے اور تمہاری اولاد سے جنت میں ملاقات کا وعدہ ہے-

(۸۵) حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۸۶) حضرت عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

(۸۷) حضرت عمیر بن عوف المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ سہیل بن عمرو۔(مستدرک)

(۸۸) حضرت عویم بن ساعدہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدری تھے۔(حاکم)

(۸۹) حضرت عویمر بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوالدرداءؓ۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔

(۹۰) حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ف)

(۹۱) حضرت فرات بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۹۲) حضرت فضالہ بن عبید الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ق)

(۹۳) حضرت قرۃ بن ایاس المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ک)

(۹۴) حضرت کعب بن عمرو ابوالیسر الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ غزوۂ بدر میں شامل تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہوں نے ہی گرفتار کیا تھا۔

(۹۵) حضرت کناز بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ غزوۂ بدر میں شامل

تھے۔

(م)

(۹۶) حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ غزوۂ بدر میں شامل تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت قریبی اعزاء میں سے تھے۔

(۹۷) حضرت مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(حاکم)

(۹۸) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی۔

(۹۹) حضرت معاذ القاری ابو حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۰۰) حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (مستدرک)

(۱۰۱) حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۰۲) حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۰۳) حضرت مقداد بن عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(مستدرک)

(ن)

(۱۰۴) حضرت نضلہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(و)

(۱۰۵) حضرت وابصہ بن معبد الجہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۰۶) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جناب رسول اللہ

ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے تیار رہے تھے اور یہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے- پھر یہ اصحاب صفہ کے ساتھ ٹھہر گئے- انہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد اصحاب صفہ کی معاشی حالت بہتر ہو جانے کی خوشخبری سنائی تھی-

(ھ)

(۱۰۷) حضرت ھلال مولیٰ المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ - جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کی نظر سے انہیں دیکھا-

(ی)

(۱۰۸) حضرت یسار ابوفکیھہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ - یہ مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسی طرح ستائے گئے تھے جیسے کہ حضرت بلال اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ستائے گئے تھے - کفار مکہ میں سے بنو عبد الدار انہیں ٹھیک دوپہر کے وقت پکڑ کر ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیتے اور پھر انہیں گرم تپتے صحرا میں الٹا لٹا کر ان کی کمر پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ یہ حرکت نہ کر سکیں- پھر کچھ دیر بعد ریت سے اٹھا کر یونہی کسی تپتی چٹان پر ڈال دیتے اور ان سے

پوچھتے کہ اب بتاؤ تمہارا رب کون ہے تو یہ فرماتے-

الله ربی و ربك. "اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے-"

ایک دن صفوان بن امیہ نے انہیں مار مار کر ادھ موا کر دیا- ابی بن خلف جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا تھا' یہ منظر دیکھ کر صفوان سے کہنے لگا کہ اسے ذرا اور مزا چکھاؤ- صفوان نے دوبارہ انہیں اللہ کی راہ میں پیٹا اور گلا گھونٹ دیا- یہ سمجھے کہ شاید یہ غلام مر گیا ہے- لیکن ابھی زندگی باقی تھی- ان ظالموں نے ان کی زبان پکڑ کر کھینچ دی تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے سکیں اور انہیں گونگا کر دیا- حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ یہ مناظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھے تو صفوان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح خرید کر آزاد کر دیا- پھر انہوں نے حبشہ ہجرت کی- پھر حبشہ سے مدینہ طیبہ دوسری ہجرت کی اور غزوۂ بدر سے پہلے انتقال فرما گئے-

حضرات اصحاب صفہ کے یہ ایک سو آٹھ نام تو سرسری طور پر ذکر کر دیئے گئے ہیں اور بہت زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا ورنہ تو ان اصحاب رضی اللہ عنہم کی تعداد سینکڑوں میں ہے- اسلام کے لئے ان کی قربانیاں دیکھیے اور ان ناموں کو غور سے بار بار پڑھیے- کیا یہ وہی نہیں ہیں جو قیصر و کسریٰ پر اللہ کا قہر بن کر نازل ہوئے؟ کیا یہ وہی نہیں ہیں جنھوں نے اللہ کے دین کو از شرق تا غرب روشناس کرایا؟ حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت جس پر اب بھی مسلمان ناز کرتے ہیں اور جس کی مثالیں جارج برناڈ شا اور گاندھی دیا کرتے تھے' اس خلافت کے رکن رکین اور اس خلافت کو کامیابی سے ہمکنار کرانے والے یہی اصحاب وافراد نہ تھے؟ ان "بوریہ نشینوں" نے تخت نشینوں کے گریباں جا پکڑے اور ان "صحرا نشینوں" نے دنیا میں ایک جدید تہذیب و تمدن کی بنا استوار کر دی - خود زندگی نے آنکھیں کھول کھول کر اپنا وجود ان دلوں میں دیکھا اور فنا ہاتھ جوڑ کر ان کی بیداری پر رخصت ہوئی -

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں' نظر میں' اذان سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں
کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

ان حضرات کا کام کیا تھا؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے شب و روز کیسے گزرتے تھے؟ فقر و فاقہ اور تنگ دستی کے اس عالم میں نہ وہ مستقل تجارت کرتے تھے' نہ کہیں ملازمت تھی' نہ کاشت کاری تھی نہ ہی کوئی اور ذرائع آمدن تھے تو ان حضرات کا مشغلہ کیا تھا؟ وقت کا مصرف انسانی زندگی کا ایک بہت اہم سوال ہے - ان اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا مصرف کیا تھا؟

ان کے تمام اوقات کا صرف ایک ہی مصرف تھا اور وہ "ذکر الٰہی" تھا - اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے - شب و روز جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر اپنے رب کی یاد کے طریقے سیکھتے تھے اور بس --- "معاش" اور "تہذیب و تمدن" کے بتوں پر وہ کاری ضرب لگا کر صرف اسی کام میں مصروف ہو گئے تھے اور اس خانقاہ میں صبح و شام بجز ذکر باری تعالیٰ کے اور کوئی مصروفیت نہیں تھی جو ان درویشوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتی -

اللہ تعالیٰ کے ذکر کا سب سے بہترین طریقہ اور وصول الی اللہ کا سب سے مستند ذریعہ خود قرآن ہے - وہ اس کی تلاوت کرتے تھے' اس پر غور و فکر کرتے تھے - اسے سمجھتے اور سمجھاتے تھے - ان کی راتیں اس کی تلاوت اور ان کے دن اسی کتاب کے تدبر میں بسر ہوتے تھے -

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جو اصحاب صفہ ہی میں سے ہیں' ایک مرتبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں ایک شخص باقی لوگوں کو قرآن سنا رہا تھا اور ان کے لئے دعا مانگ رہا تھا - مجمع اتنا زیادہ غیر معروف اصحاب کا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ شاید ہی کسی کو زیادہ پہچانتے ہوں اور اتنے میں خود رسالت مآب ﷺ تشریف لے آئے اور اشارے سے حلقہ بنانے کا حکم دیا - سب لوگ حلقے کی صورت میں ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ گئے اور بہت سے ایسے تھے جن کے تن پر پورا لباس بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے ستر کو چھپاتے نتیجہ

یہ کہ انہوں نے بعض دوسرے دوستوں کے پیچھے بیٹھ کر اپنے آپ کو چھپایا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ:

بما کنتم تراجعون؟ "تم لوگ کیا دہرا رہے تھے؟"

اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا۔

هذا رجل یقراء علینا القرآن و یدعولنا.

"یہ شخص قرآن پاک پڑھ کر ہمیں سنا رہا تھا اور ہمارے لیے دعا مانگ رہا تھا۔"

یہ سن کر آپ نے فرمایا وہی کرتے رہو، جو تم کر رہے تھے اور پھر فرمایا:

الحمد لله الذی جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معهم. (حلیة الاولیاء و طبقات الاصفیاء ج ۱، ص ۳۴۲ ذکر اهل الصفة)

"تمام تعریفیں اس اللہ کی ذات کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے افراد پیدا کیے کہ اس نے مجھے حکم دیا کہ ان افراد کے ساتھ رہا کروں۔"

یہ تھا ان کا کام کہ تلاوت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سناتے تھے۔ وہ اس فکر سے بلند تر ہو کر سوچتے تھے کہ اب تو اتنا کپڑا بھی جسم پر باقی نہیں رہ گیا جس سے ستر پوشی کی جا سکے۔ انہیں فکر تھی تو بس اس کام کی کہ ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو اور خوش رہے۔

مشہور محدث حافظ ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح الفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے:

کان شغلهم تفهم الکتاب و تعلمه و نهمتهم الترنم بالخطاب و تردده. (ج: ۱ ص ۳۴۲).

"ان حضرات کی مصروفیت قرآن کی تفہیم و تعلیم تھی اور ان کی زندگیوں کا مقصد خوش آوازی سے تلاوت کرنا اور بار بار اللہ کی اس کتاب کو پڑھنا تھا۔"

جناب رسول اللہ ﷺ بھی انہیں یہی ذکر سکھاتے اور تلقین فرماتے تھے کہ وہ اس اللہ کی کتاب ہی کو اپنا مقصد حیات بنا لیں۔ ان کا اوڑھنا اور بچھونا بس کتاب اللہ ہی کی تعلیم و تفہیم بن جائے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحاب صفہ ہی میں سے تھے، ان کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے دو بڑے بازار بطحا اور عقیق میں روزانہ کوئی شخص جا کر دو ایسی اونٹنیاں لے آئے جن کے کوہان چربی سے خوب بھرپور ہوں اور اونٹنیاں بھی بہت اچھی ہوں اور اس طرح ان کا مالک بن جائے کہ ان اونٹنیوں کو لینے میں نہ تو وہ کسی گناہ کا مرتکب ہو اور نہ وہ کسی پر ظلم کر رہا ہو۔ کیا تم لوگوں میں سے کوئی اس کام کے لئے تیار ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اس طرح مفت اور بغیر گناہ کے اتنی اچھی اونٹنیاں ملیں، اس کے لیے تو ہم سب تیار ہیں۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

اولا یغدو احدکم الی المسجد فیتعلم اویقرأ آیتین من کتاب الله تعالی خیر له من ناقتین، و ثلاث، و اربع خیر له من اربع و من اعداد هن من الابل. (ج: ۱، ص ۳۴۱).

''کوئی شخص صبح مسجد میں جائے اور قرآن پاک کی دو آیات کا علم حاصل کرے تو یہ اس کے لیے ان دو اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیات کی تعلیم یا تلاوت تین اونٹنیوں سے اور چار آیات کا علم یا تلاوت چار اونٹنیوں سے اچھا ہے اور جتنی تعداد میں آیات کا علم یا تلاوت کرے، اس کے لیے اسی تعداد کے اونٹوں سے یہ علم اور تلاوت بہتر ہے۔''

ان اصحاب صفہ کو جناب رسول اللہ ﷺ کا صرف فرما دینا ہی کافی تھا کہ یہ اپنے شب و روز قرآن کریم کی تلاوت اور تعلیم میں بسر کیا کریں۔ مگر آپ نے کمال لطف و عنایت سے انہیں اس عمل کا ثواب بتایا۔ انہیں ترغیب دی اور یوں ان کی تربیت کی۔

مندرجہ بالا سطور میں جن حلقوں کا ذکر آیا ہے کہ وہ قرآنی تعلیم و تذکیر کے لئے منعقد ہوتے تھے، ان کی ضرورت آج بھی ہے۔ قرآنی حلقات کو ''بدعت'' سے تعبیر کرنے کی بیخ صرف اسی شخص کو سوجھ سکتی ہے، جو بغیر علم کے فتوے دے، خود بھی گمراہ ہو اور اپنے متبعین کو بھی گمراہ کرے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذوق ہی

اتباع سنت اور جن کا شوق ہی رد بدعت تھا، وہ ان حلقات کے قائل تھے۔ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

لم یکن فیهم احد یجتمع علی هذا السماع، لا فی الحجاز و لا فی الشام و لا فی الیمن و لا العراق و لا مصر ولا خراسان و لا المغرب و انما کان السماع الذی یجتمعون علیه سماع القرآن. و هو الذی کان الصحابة من اهل الصفة و غیر هم یجتمعون علیه فکان اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم اذا اجتمعوا مروا واحدا منهم یقرأ. والباقی یستمعون و قد روی ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج علی اهل الصفة و فیهم قاری یقراء فجلس معهم، و کان عمر بن الخطاب یقول لابی موسیٰ یا ابا موسیٰ ذکرنا ربنا، فیقراء و هم یستمعون. (مجموع فتاویٰ ج: ۱۱، ص: ۵۸ فصل الاحتجاج لسماع القصائد الربانية بكف اودف او قضيب او كان معه شبابه)

''صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانوں میں کوئی بھی سماع (قوالی) سننے کے لئے جمع نہیں ہوتا تھا۔ نہ حجاز میں ایسے اجتماع ہوتے تھے اور نہ شام میں، نہ یمن میں یہ حضرات ایسے کام کرتے تھے اور نہ عراق میں۔ مصر،

خراسان اور افریقہ کہیں بھی اس بدعت کا وجود نہ تھا۔ وہ حضرات تو بس قرآن سننے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے اور ان کا سماع یہ تھا کہ اصحاب صفہ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب مل بیٹھتے تو اپنے میں سے کسی ایک سے تلاوت کی فرمائش کرتے اور وہ تلاوت شروع کرتا اور باقی حضرات اس کا سماع کرتے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے بھی روایت ہے کہ آپ اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ان میں سے ایک صاحب تلاوت کر رہے تھے اور آپ ان کے ساتھ تشریف فرما ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ابو موسیٰ ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ۔ تو انہوں نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ہمراہ جتنے حضرات تھے، سب خاموشی سے سننے لگے۔

ایک اور مقام پر حافظ صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ اس سماع (قوالی) کی بدعت و مذمت اور قرآنی حلقوں کی سنیت اور تعریف میں فتویٰ دیتے ہیں کہ:

و هذا كان سماع سلف الامة و اكابر مشائخها و آئمتها كالصحابة والتابعين و من بعد هم من

المشائخ. کابراهیم بن ادهم، والفضیل بن عیاض، و ابی سلیمن الدرانی و معروف الکرخی، و یوسف بن اسباط و حذیفه المرعشی و امثال هؤلا. بن ادهم، و کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه یقول لابی موسٰی الاشعری یا ابا موسٰی ذکرنا ربنا فیقرأ و هم یسمعون و یبکون و کان اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم اذا اجتمعوا مروا واحدا منهم ان یقرأ القرآن والباقی یستمعون.(ج : ۱۰، ص ۸۰، کان سلف الامة یحرکون محبة الله فی القلوب)

"اشعار کا سننا ان کا سماع نہیں تھا بلکہ ان کا سماع تو تلاوت کا سننا تھا۔ امت مسلمہ کے اسلاف، اکابر مشائخ اور آئمہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور ان کے بعد جو مشائخ آئے ہیں جیسے حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت ابو سلیمان درانی اور حضرت معروف کرخی اور حضرت یوسف بن اسباط اور حضرت حذیفۃ المرعشی اور ان جیسے دوسرے مشائخ رحمہم اللہ ان کے ہاں قرآن کریم ہی کا سماع تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ ابو موسیٰ ہمیں ہمارے رب کی باتیں سناؤ۔ اور پھر حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ تلاوت شروع کر دیتے۔ اور باقی تمام حضرات قرآن کریم سنتے اور روتے تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تو طریقہ یہ تھا کہ وہ حضرات جب بھی مل بیٹھتے اپنے میں سے کسی ایک کو تلاوت کے لئے کہتے اور وہ قرآن کریم پڑھتا اور باقی حضرات سنتے۔"

قرآن پاک کی تعلیم اور تلاوت کے حلقات اگر کسی طور سے بھی بدعت کی تعریف میں آتے ہوتے تو کم سے کم یہ حضرات جن کا نقد بدعت پر مستند مانا جاتا ہے، کبھی ان حلقات کے قائل نہ ہوتے۔

اس مقام پر رک کر اپنے دل و دماغ سے اس ایک سوال کا جواب بھی پوچھتے جائیے کہ کیا اس دور میں اب ہمارے ہاں بھی کوئی ایسی خانقاہ، ایسا مرکز یا دینی جماعت ہے جہاں قرآن کی تعلیم دی جاتی ہو؟ جہاں اس مظلوم کتاب کو سمجھایا جاتا ہو؟ جہاں اس کی تفہیم اور تذکیر کے حلقے قائم ہوں؟ کیا آپ کا جواب بھی یہی ہے کہ:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسجد نبوی میں دوسرا کام تلاوت و تفہیم کلام الٰہی کے بعد "ذکر اللہ" تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ان تسبیحات و تکبیرات کے ساتھ کرتے تھے جو جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیم تھی۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور ان سے دریافت فرمایا:

ما کنتم تقولون؟

"تم سب کیا کہہ رہے تھے؟"

تو اصحاب صفہ نے جواب دیا:

نذکر الله یا رسول الله.

"اللہ کے رسول ﷺ ہم اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے تھے۔"

تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ذکر کو جاری رکھنے کی تلقین فرمائی اور انہیں مخاطب فرما کر پہلا جملہ یہ فرمایا کہ:

قولوا فانی رایت الرحمة تنزل علیکم فاجبت ان اشارککم فیها.

"اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ میں نے اس کی رحمت تم پر برستے دیکھی تو میں رک گیا تاکہ تمہارے ہمراہ اس رحمت میں میں بھی شامل ہو جاؤں۔"

اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا جس سے اصحاب صفہ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ:

الحمد لله جعل فی امتی من امرت ان اصبر نفسی معهم.

(حلیة الاولیاء ج: ۱ ص: ۳۴۲)

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے افراد پیدا فرمائے ہیں، جن کے متعلق مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔''

کسی کو یہ خیال نہ ستائے کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جناب رسول اللہ ﷺ پر فضیلت حاصل تھی بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے اکرام وافضلیت کے تو کہنے ہی کیا، خود اصحاب صفہ کو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی مطلقاً افضلیت حاصل نہ تھی۔ مثلاً عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر، خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم وغیرہ، سب ان سے افضل تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

و لم یکن "اھل الصفة" خیار الصحابة بل کانوا من جملة الصحابه. (مجموع فتاویٰ ج : ۱۱ ص ۶۱)

''اہل صفہ سب سے افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں تھے بلکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔''

اس اشکال کو رفع کرنا بھی ضروری ہے کہ آج کل کے بعض ''محقق'' حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا حوالہ پڑھ کر ان کی نہ صرف تضعیف کرتے ہیں بلکہ ان کی کتابوں سے مجتنب رہنے کی بھی ہدایت کرتے ہیں۔ صرف سنی سنائی باتوں پر ہی یقین اور ان کا نشر ہے۔ نہ مطالعہ کرتے ہیں اور نہ جانتے ہیں کہ جس پر نقد کر رہے ہیں، اس کی کتابیں ہیں کس موضوع پر۔ حافظ صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ اپنے

دور کے مشہور حافظ الحدیث تھے۔ ان کے بارے میں اور ان کی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ اپنی رائے تحریر کرنا پڑ گئی تھی۔ فی الحال تو اسے ہی پڑھ لیجئے۔

قصہ یوں ہوا کہ ایک شخص جو تفسیر واحادیث کی کتابیں سنا کرتا تھا، اسے حضرت حافظ ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' سنانے کی کوشش کی گئی تو اس نے سننے سے انکار کر دیا۔ سنانے والے نے اصرار کیا تو دونوں کے درمیان یہ ٹھہرا کہ دمشق خط لکھا جائے اور حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جو رائے دیں، اس پر عمل کر لیا جائے۔

یہ خط جب حضرت شیخ الاسلام کو پیش کیا گیا تو انہوں نے لکھا :

ابو نعیم احمد بن عبدالله الاصبهانی صاحب کتاب "حلیة الاولیاء" و "تاریخ اصفهان" و "المستخرج علی البخاری و مسلم" و "کتاب الطب" و "عمل الیوم و اللیلة" و "فضائل الصحابه" و "دلائل النبوة" و "صفة الجنة" و "محجة الواثقین" وغیره ذلك من المصنفات من اکبر حافظ الحدیث و من اکثرهم تصنیفات، و ممن انتفع الناس بتصانیفه، و هو اجل من ان یقال له: ثقه. فان درجته فوق ذلك. و کتابه "کتاب الحلیة" من اجود الکتب المصنفه

فی اخبار الزهاد. (مجموع فتاویٰ. ج ۱۷ ص ۱۷ سئل
عن رجل یقول لا اسمع من. کتاب الحلیة).

"حضرت ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں
نے کچھ کتابیں مثلاً (۱) حلیة الاولیا (۲) تاریخ اصفهان
(۳) المستخرج علی البخاری و مسلم (٤) کتاب
الطب (٥) عمل الیوم واللیلة (٦) فضائل الصحابة
رضی الله عنهم (۷) دلائل النبوة (۸) صفة الجنة (۹)
محجة الواثقین وغیرہ تحریر فرمائی ہیں- وہ اپنے دور کے
سب سے بڑے حافظ الحدیث تھے- ان کی بہت سی اور کتابیں
بھی ہیں، جن سے لوگوں کو نفع ہوا ہے- وہ اس توثیق سے بالا
تھے کہ ان کے بارے میں کہا جائے کہ وہ قابل اعتماد آدمی
تھے- ان کا درجہ تو ہماری تصدیق سے کہیں بلند ہے- اور ان
کی کتاب "حلیة الاولیا" دنیا سے بے رغبت صوفیاء کے بارے
میں لکھی گئی کتابوں میں سے ایک بہترین کتاب ہے-"

جسمانی عبادات میں سب سے افضل عبادت نماز ہے- پھر اس
کے بعد قرآن پاک کی تلاوت ہے، پھر تیسرے درجے میں ذکر اور
چوتھے میں دعا ہے- حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے
فتاویٰ کی دسویں جلد جو کہ تمام تر احسان و سلوک کے موضوع پر ہے،
میں اس بات کی تصریح کی ہے- (ملاحظہ ہو: جلد مذکورہ ص ۱۰۴)

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم انہی افضل ترین عبادات میں مصروف
رہتے تھے- نماز اور تلاوت قرآن کریم کے بعد ان کا کام اللہ کی یاد تھی-
اسی ذکر الٰہی اور صحبت نبوی علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں ہیرا بنا دیا تھا-
امر واقع یہ ہے کہ مرد کامل اور فرد فرید بننے کے لئے ہر دور میں چار
مراحل کا بالترتیب طے کرنا ضروری ہے وگرنہ جس مرحلے پر جو شخص
جتنا ناقص رہ جائے گا، اسی تناسب سے وہ دنیا میں باعث شر بنے گا- سب
سے پہلا مرحلہ صحیح عقیدے کا ہے- پھر اس کے بعد دوسرا مرحلہ صحیح
علم، تیسرا مرحلہ صحیح عمل اور چوتھا مرحلہ اخلاص کا ہے کہ دین و دنیا کا ہر
ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے اور اس کے
حصول کے لئے "کثرت ذکر" اور "صحبت شیخ" ناگزیر ہے-

انہی چار مراحل کی برکات و منافع سے اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم
بھی مستفید ہوئے تھے- انہوں نے عقیدہ، علم اور عمل بیک وقت جناب
رسول اللہ ﷺ سے سیکھا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت تو ہر درد
کی درماں اور ہر روگ کا علاج تھی- اس صحبت سے پہلے اگر وہ مٹی تھے تو
اب سونا تھے اور اگر پہلے وہ پتھر تھے تو اب لعل و جواہر تھے- وہ فاقہ کشی،
برہنہ تن اور تہی شکم، غیور فقر کے بادشاہ تھے اور جب وہ اٹھے تو چھا گئے
اور پھر دنیا میں سب کچھ وہی، وہی تھے- ان کے علاوہ کوئی بھی کچھ نہ تھا-

چہ باید مرد را طبع بلندے، شرب نابے
دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خون شفق سے ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفون دریا زیر دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو' بن کر گہر نکلے
غبار رہگذر ہیں' کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے

ان ''درویشوں'' کی ''دولت فقر'' دیکھ' عالم قدس اس کا معترف ہوا۔

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر' پائندہ تر' تابندہ تر نکلے

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کا تیسرا کام ''جہاد فی سبیل اللہ'' تھا- بدر' احد' احزاب' خیبر' فتح مکہ زادھا اللہ شرفا و تعظیما' طائف' حنین اور تبوک میں یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے- عمر دراز کی تمنا سے بے نیاز اور مراعات دنیا کی طلب سے مستغنی یہ گروہ جان ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا کہ اس جان کا جان آفریں کسی طرح اسے قبول فرما لے- احسان وسلوک کے مراحل طے کر کے جو شخصیت نکھرتی ہے اس نکھری ہوئی زندگی کا ہر دور میں تقاضا باطل سے ٹکر ہے- وہ باطل کفار کی صورت میں سامنے آئے تو جسمانی ٹکراؤ اس کا لازمی نتیجہ ہے- وہ علمی میدان ہو تو یہاں کتابیں اور دلائل ہیں جس کا نام مناظرہ ہے- اور اگر روحانیت کا میدان ہو تو پھر اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے- صوفی اور

درویش مجاہد اعظم ہوتا ہے- اسے جہاد سے فرصت کب ملتی ہے- وہ اللہ کا سپاہی کبھی میدان جہاد میں شمشیر بکف جہاد کر رہا ہوتا ہے اور کبھی اپنے نفس کے تقاضے اور خواہشات سے لڑ رہا ہوتا ہے- جسمانی جہاد میں تو ایک ہی مرتبہ جان دے کر شہادت کا درجہ مل جاتا ہے اور جہاد بالنفس میں تو دن میں سو سو بار جینا اور مرنا پڑتا ہے- یہ مجاہد ہاتھ میں جوتا لے کر نفس کے سر پر مارتا ہے کہ یہ اندر کی انا مر جائے- یہ انا پھر سر بلند کرتی ہے اور یہ پھر اس کے سر پر جوتا مارتا ہے کہ تم ابھی بھی زندہ ہو اور یہ کشمکش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کے درجے تک نہ پہنچا دے-

اصحاب صفہ کے جہاد بالنفس کی اصلاح کے لئے تو جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت مقدسہ ہی کافی تھی- کفار سے جہاد کے لئے جب بھی میدان کارزار نے انہیں دعوت دی' انہوں نے ہمیشہ اس دعوت پر لبیک کہا اور کبھی یہ شہید ہو کر کامیاب ہوئے اور کبھی غازی بن کر جیے- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کے متعدد غزوات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

و فی جمیع المواطن کان یکون المؤمنون من اهل الصفة وغیرهم مع النبی صلی الله علیه وسلم.

(ج ١١' ص ٤٨).

''ان غزوات کے تمام مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہ وہ

اصحاب صفہ میں سے تھے اور خواہ ان کے علاوہ تھے' سب کے سب جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک رہے ہیں۔"

شیخ الاسلام کے دور میں بعض لوگوں کا یہ باطل گمان تھا (جیسا کہ اب بھی احسان و سلوک کے مخالفین کی طرز فکر ہے) کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم تو صرف مسجد نبوی میں تلاوت و ذکر میں مشغول رہتے تھے اور جہاد سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس الزام کا جواب شیخ الاسلام نے دیا ہے۔ جواب پڑھئے' انداز دیکھئے اور جواب کا دندان شکن ہونا محسوس کیجئے۔

و اما ما ذكر من تخلفهم عنه فى الجهاد فقول جاهل مضل' بل هم الذين كانوا اعظم الناس قتالا و جهادا.

"اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرات اصحاب صفہ جہاد میں جناب رسول اللہ ﷺ سے پیچھے مدینۂ طیبہ میں بیٹھے رہتے تھے تو یہ الزام لگانے والا بڑا گمراہ اور جاہل ہے۔ یہ لوگ تو جہاد میں سب سے آگے بڑھ کر حصہ لینے والوں میں سے تھے۔"

پھر دو آیات اپنے اس دعوے کے ثبوت میں نقل کر کے مزید لکھتے ہیں:

ولقد قتل منهم فى يوم واحد يوم بئر معونه سبعون حتى وجد عليهم النبى صلى الله عليه وسلم موجدة'

وقنت شهرا يدعو على الذين قتلوهم واخبر عنهم "انهم بهم تتقى المكاره' و تسدبهم الثغور و انهم اول الناس و رود اعلى الحوض' و انهم الشعث رؤوسا الانس ثيابا الذين لا ينكحون المتنعمات' ولا تفتح لهم ابواب الملوك. (ج ۱۱' ص : ۸۰)

"یہ حضرات تو ایسے مجاہد تھے کہ ان میں سے ستر تو صرف وہی تھے جو ایک دن میں "بئر معونہ" میں شہید ہو گئے تھے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ کو ان کی شہادت کا ایسا غم تھا کہ آپ ان کے قاتلین کے لئے پورے ایک مہینہ تک بددعائیں فرماتے رہے۔ (قنوت نازلہ) اور آپ نے ان مجاہدین کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی برکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ اور ان کی وجہ سے مملکت کی سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے اور یہی فقیر سب سے پہلے حوض کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔ اور یہ معاشی اعتبار سے ایسے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے' کپڑے میلے کچیلے اور یہ اپنی غربت کے باعث کسی اونچے گھرانے میں شادی بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی سرمایہ دار لوگ انہیں اپنے گھر آنے کے لئے خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں۔"

"بئر معونہ" کا مطلب ہے معونہ کا کنواں' مندرجہ بالا حوالے میں

جن ستر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی معونہ کے کنوئیں پر شہادت کا ذکر ہے' اس کی تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً جاننے کے لئے صحیح ابن حبان کی روایت ملاحظہ ہو-

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں کچھ انصاری نوجوان رہتے تھے جنہیں "قُرّا" (بہت زیادہ تلاوت کرنے والے) کہا جاتا تھا- وہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے- ان کے گھر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ مسجد میں ہیں اور مسجد والے سمجھتے تھے کہ وہ گھر روانہ ہوگئے ہیں- وہ نوجوان راتوں کو نمازیں پڑھتے تھے اور یہاں تک کہ جب صبح قریب ہوتی تھی تو جنگل میں چلے جاتے تھے- وہاں سے لکڑیاں چنتے اور پانی بھرتے- پھر یہ پانی اور لکڑیاں جناب رسول اللہ ﷺ کے جتنے بھی حجرے تھے' ان کے دروازوں پر چھوڑ کر چلے آتے- جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو تبلیغ دین کے لئے "بئر معونہ" کی طرف روانہ کیا اور کافروں نے ان سے لڑائی کی اور یہ شہید ہوگئے- جناب رسول اللہ ﷺ ان کے قاتلوں کے لئے کئی روز تک بددعا فرماتے رہے- (ج: ٦ ص: ٣٨٧' ذکر دعاء المصطفی ﷺ لاصحابہ بالھجرة و امضائھا لھم- ذکر وصف قرأ الانصار رقم ٧٢٧٢)

ان حضرات کی ساری زندگی ان تین کاموں میں گذری- جہاد سے مال غنیمت میں سے جو حصہ ملتا تھا' معاش وہ تھی اور یا پھر اگر کوئی ایسی مزدوری مل گئی جو اللہ کی اطاعت میں حارج نہ ہو تو وہ کرلیتے تھے-

انہوں نے ضروریات زندگی کا دائرہ تعیشات تک وسیع کرنے کا تصور بھی کبھی نہیں کیا تھا- وہ بس اللہ کے کام کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے اور جوارح واعضاء حق تھے- اللہ تعالیٰ نے ان سے کام لیا اور اپنے اس پسندیدہ دین کو جیسے چاہا' ان کے ذریعے رونق بخشی اور نافذ فرمایا-

معاش ہر دور میں مسئلہ رہا ہے مگر کیا اس بت سے ایمان ٹکر نہیں لے سکتا- اصل مسئلہ کیا ہے؟ معاشی آسودگی کا یا انسان کی کردار سازی کا؟ انسانی صفات کو عروج اور ان کی جلا سرمائے سے ہوتی ہے یا اپنی خواہشات کی قربانی سے؟ صبر' ایثار' توکل اور انسانی ہمدردی اگر اعلیٰ اخلاقی صفات ہیں تو یہ سرمائے نے نہیں' فقر وفاقہ نے پیدا کی ہیں- سرمائے کی کوکھ سے تو بداخلاقی اور لوٹ کھسوٹ نے جنم لیا ہے- اس نے تو اپنا گھر بھرنا اور آرام دہ زندگی گزارنا سکھائی ہے- اس نے تو یہ سبق دیا ہے کہ سود کو رائج کیا جائے- مہاجن کا سود ایک فرد کے ذریعے دوسرے فرد کا استحصال کراتا تھا اور اب جدید دور کے مہاجن آئی-ایم-ایف اور ورلڈ بینک اپنی پسندیدہ مغربی اقوام کے ذریعے اپنی نفرت زدہ مشرقی اقوام کا استحصال کراتے ہیں- قرض دیتے ہیں اور اس کے عوض میں اصل رقم کی وصولی کے ساتھ ساتھ سود بھی وصول کرتے ہیں اور پھر مقروض قوم کو اپنے ممالک میں وہ طور طریقے بھی رائج کرنے پر مجبور کرتے ہیں' قرض میں وہ ایسی شرائط لگاتے ہیں کہ جن کے ذریعے سے افراد کا تعلق آپس میں کمزور پڑے- عریانی وے

خواری عام ہو- مرد و زن بغیر نکاح اور اولاد کے آزادانہ زندگی تمام تر سہولتوں کے ساتھ بسر کریں- اس صورت میں جانور نما انسان تو اس کرۂ ارض کو آباد کر سکتے ہیں حقیقی انسان نہیں-

انسانیت کی حقیقت اور اس کے رموز سے شناسائی کا راستہ تو فقر کے کوچے سے گذر کر جاتا ہے- وہاں ترجیح اللہ کے حکم کے مطابق انسانوں کو ہے نہ کہ دولت کو- اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے کاموں کے لئے اسی کی راہ میں محصور تھے- اس اولین فریضے سے کیسے کوتاہی برتتے؟ اللہ تعالیٰ نے انہی حضرات کی شان میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی- حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور تشریح بھی ملاحظہ ہو:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ : ۲۷۳)

”ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ میں، چل پھر نہیں سکتے ملک میں، سمجھے ان کو بے خبر محظوظ ان کے نہ مانگنے سے- تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے- نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر- اور جو خرچ کرو گے کام کی چیز، وہ اللہ کو معلوم ہے-“

ف: یعنی بڑا ثواب ہے ان کو دینا جو اللہ کے کام میں اٹک (ٹھہر) گئے ہیں- کما نہیں سکتے اور اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے- جیسے حضرت (ﷺ) کے اصحاب (رضی اللہ عنہم) تھے- اہل صفہ (نے) گھر بار چھوڑ کر حضرت کی صحبت پکڑی تھی، علم سیکھنے کو اور جہاد کرنے کو- اسی طرح اب بھی جو کوئی حفظ قرآن کو یا علم دین میں مشغول ہو، لوگوں کو لازم ہے کہ ان کی مدد کریں-

اصحاب صفہ اور اب بھی مشائخ عظام پر یہ طعن کہ کماتے نہیں، یہ جستجو کہ ان کا گذر کیسے ہوتا ہے، لغو اور بے کار ہے- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین کا کام بھی کوئی کام ہے یا نہیں؟ اسے کرنے کے لئے افراد درکار ہیں یا نہیں؟ اگر یہ کام واقعی کوئی کام ہے اور کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس اہم کام کو کرنے کے لئے افراد درکار ہیں تو انصاف سے کام لینا چاہئے کہ وہ افراد معاش کمائیں یا دین کا کام کریں- باقی سارے معاشرے سے انہوں نے دین کی تعلیم اور دیگر بہت سی ضروریات دین کا بوجھ اٹھا کر اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ہے- پورے معاشرے کی اس اہم ضرورت کو پورا تو یہ کریں اور اس کے عوض میں معاشرہ ان کے معاش کی کفالت نہ کرے بلکہ الٹا طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے تو یہ کہاں کا عدل ہے-؟

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے کسب معاش میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں-

و كان فقراء المسلمين اهل الصفة و غيرهم يكتسبون عند مكان الاكتساب الذى لا يصدهم عما هو اوجب اواحب الى الله و رسوله من الكسب. و اما اذا احصروا فى سبيل الله عن الكسب فكانوا يقدمون ماهوا قرب الى الله و رسوله و كان اهل الصفة ضيوف الاسلام يبعث اليهم النبى صلى الله عليه وسلم بما يكون عنده. (ج : ١١ ص : ٤٤)

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو فقیر تھے اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم جہاں تک ہو سکتا تھا' کسب معاش کرتے تھے مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند تھا وہ انہیں زیادہ پسند اور ضروری معلوم ہوتا تھا اور اصحاب صفہ جب دین کے کام میں مصروف ہوتے تھے تو وہ کسب معاش سے رک جاتے تھے اور ان فرائض کو مقدم رکھتے تھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ پسند تھے۔ یہ اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا آپ ان حضرات پر خرچ فرمادیتے تھے۔"

ایذا پر صبر کرنا' اپنے غصے کو قدرت کے باوجود نافذ نہ کرنا' اگر نکاح میسر نہ ہو تو تقاضائے جنس پر غالب رہ کر عفت وپاکیزگی کا دامن نہ

چھوڑنا اور قلت معاش کو برداشت کرنا یہ تو اس مجاہد کا سامان ہے جو وصال الٰہی کا راستہ طے کر رہا ہو اور اس سالک کا توشہ ہے جو حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا جویاں ہو۔ جو یہ نہ کر سکے آخر اسے اس پرخار وادی کو طے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نے یہ مقامات بہت کامیابی سے طے کیے تھے اور ان کی کامیابی ہی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضا کی بشارت دی تھی۔

بے جرأت رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللّٰہی
جو سختی منزل کو سامان سفر سمجھے
اے وائے تن آسانی' ناپید ہے وہ راہی

انہوں نے "سختی منزل" کو "سامان سفر" سمجھ کر ہی گھر بار چھوڑ دیا تھا۔ وہ جو حضور اقدس ﷺ کی چوکھٹ پر آپڑے تھے' عشق حقیقی نے ہی زندگی کے اس سنگلاخ میدان کو گل وگلزار بنادیا تھا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ہنستے کھیلتے سولی پر چڑھ گئے' جنہوں نے اپنے خون سے احد کے دن مہر ووفا پر مہر ثبت کی۔ جنہیں زندگی دشوار اور شہادت کی طلب سہل معلوم ہوئی۔ وہ جو کہتے تھے کر گزرتے تھے اور جو کرتے تھے وہ چھپاتے تھے کہ اس کا اظہار اخلاص کے منافی سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ --- جنہوں نے سب کو بہت قریب سے اور شب وروز جانچ پرکھ کر دیکھا تھا۔ کا

فرمان سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ انہوں نے فرمایا:

من كان منكم مستنا فليستن بمن قد مات فان الحى لا تومن عليه الفتنه اولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ابر هذه الامة قلوبا' و اعمقها علما' واقلها تكلفا قوم اختارهم الله لصحبة نبيه' و اقامة دينه فاعر فوا لهم حقهم' و تمسكو بهديهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم.

(فتاویٰ ابنِ تیمیہؒ ج: ١١ ص ٥٧٣)

"تم میں سے جو شخص اپنی زندگی سنت کے مطابق بسر کرنا چاہے' اسے چاہئے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلے جو اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ کیونکہ دیکھو انسان جب تک زندہ ہے تب تک آزمائش اور جانچ کا وجود قائم ہے۔ اور یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس امت میں سب سے زیادہ نیک اور پارسا دلوں کے مالک تھے۔ اور سب سے زیادہ انہی کا علم گہرا تھا اور زندگی میں تکلف برتنے سے کوسوں دور تھے۔ ایک ایسی قوم تھی جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دوستی کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ اور اقامت دین کے لئے انہیں چنا تھا۔

لوگو! ہمیشہ ان کے حقوق کو پہچانو اور ادا کرو۔ اور ہمیشہ ان کے

راستے کو مضبوطی سے تھامے رکھو کیونکہ وہ سب صراط مستقیم پر عمل پیرا تھے۔"

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں یہ صفات جلوہ گر تھیں۔ امت میں جتنی بھی خانقاہیں وجود پذیر ہوئیں وہ اسی مسجد نبوی کے "چھپر" کا صدقہ تھیں اور جتنے بھی صوفیاء و مشائخ رحمہم اللہ کا وجود تھا اور ہے ان کے سب کے پیشوا و مقتدی یہی اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم تھے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ "مستدرک" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اصحاب صفہ جن میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں' میں نے جب ان کے حالات وواقعات پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ انتہائی متقی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خدمت انہوں نے اپنے لئے ضروری قرار دے لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لئے وہی راہ پسند کی جو اس نے اپنے نبی ﷺ کے لئے پسند کی تھی یعنی مسکنت' فقر و فاقہ' عبادت میں عاجزی اور دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ دینا۔"

یہ اصحاب صفہ وہ گروہ ہے کہ ہر زمانے کے صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی نسبت انہی کی طرف ہے۔ سو جو شخص بھی ان اصحاب صفہ کے طریقے پر چلے اور دنیا کی لذتوں اور عیاشیوں کو اختیار کرنے کی بجائے صبر کرے اور اسے فقر و فاقہ محبوب

ہو اور اپنی ضروریات کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ بھی نہ
پھیلائے تو وہ اپنے دور کے اصحاب صفہ ہی میں سے ہوگا کہ
ان تمام صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے رہنما یہی اصحاب صفہ ہیں
اور بلاشبہ وہ اپنے خالق پر پورا پورا بھروسہ کرنے والے
حضرات تھے۔ (ج: ۳ ص ۱۸-۲۹ كتاب الهجرة .
رقم ۳۶/۴۲۹۲)

امت مسلمہ میں ہر دور میں جو خانقاہیں اور ان کے مشائخ حقہ
عقائد صحیحہ اور اتباع سنت کے چراغ جلاتے رہے ہیں' ان سب کی اصل
یہی اصحاب صفہ اور ان کی قیام گاہ "صفہ" (چھپر) ہے۔ چھوئی موئی کا
مزاج رکھنے والے حضرات جو ہر بات پر یہ کہتے ہیں کہ اس عمل کی اصل
کتاب و سنت سے ثابت کرو' وہ ان روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے
تعامل اور جناب رسول اللہ ﷺ کا ان کی تعریف فرمانا' ان تمام حقائق پر
کیوں غور نہیں کرتے؟ خانقاہوں پر اعتراض کرنا اور ان کے وجود کا
کھٹکنا اور یہ کہنا کہ یہ مٹ جائیں اور یہ فتوے کہ یہ بدعت اور خلاف
سنت ہیں یہ تو بس اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جو امت کی تاریخ سے نابلد
اور جاہل ہو اور یا پھر یہ کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ضدی ہو۔
متقدمین میں کون سی ایسی نمایاں ہستی ہے جس سے اللہ نے دین کا کام لیا
ہو۔ اور اس کی تربیت کسی خانقاہ میں نہ ہوئی ہو۔ صفۃ الصفوۃ میں ابن
جوزی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نقاد نے جن سینکڑوں اکابر کے حالات تحریر

فرمائے ہیں' کیا وہ خانقاہوں سے بن کر نکلنے والے افراد نہ تھے۔ حضرت
شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ' حضرت شہاب الدین سہروردی' صلاح الدین
ایوبی' علامہ سبکی' امام کرخی' امام احمد بن حنبل' بشر حافی' ملا علی قاری'
علامہ سیوطی رحمہم اللہ اور ان جیسے ہزاروں آئمہ ان میں سے کون صوفی
نہ تھا اور کون سا ایسا تھا جس کی تربیت میں مشائخ زمانہ کا ہاتھ نہ ہو اور
کون سی ہستی ایسی تھی جو اپنے دور کے اکابر اولیاء اللہ کی خدمت میں
اپنے جلاء باطن و تزکیہ نفس کے لئے حاضری نہ دیتی رہی ہو۔ اپنے ان
دیار میں اور ان پچھلی چند صدیوں میں دیکھ لیجئے' دین کا علم اٹھانے والے
اور عقائد صحیحہ کو نشر کرنے والے اور سنت و بدعت میں ڈنکے کی چوٹ
فرق بیان کرنے والے حضرت مجدد الف ثانی ؒ' خواجہ محمد معصوم'
سلطان معظم حضرت اورنگ زیب عالمگیر' حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے
صاحبزادگان' مولانا محمد اسماعیل شہید اور وہ تیرھویں صدی کے مجدد'
رائے بریلی کے مولود ولی صفت' سبط قسیم کوثر' امیر المومنین سید احمد
شہید رحمۃ اللہ علیہ' پھر ان کے اخلاف میں رائے بریلی اور ریاست
ٹونک کے عمائدین' مولانا محمد قاسم نانوتوی' مولانا رشید احمد گنگوھی اور
ان کے خلفاء کرام' اہل حدیث حضرات میں غزنوی اور لکھوی خاندان
کے مشائخ رحمہم اللہ سب اپنے اپنے دور کے خانقاہوں کے سجادہ نشین
اور مشائخ حقہ میں سے تھے۔ معترضین اتنا تو سوچیں کہ ان تمام حضرات
میں سے کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ وہ بدعات کی ترویج کر رہے ہیں اور ان

خانقاہوں کو مٹا دینا چاہیے - کچھ نہیں تو علامہ مقریزی رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب المواعظ والاعتبار" ہی دیکھ لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رباط' زاویہ اور خانقاہ کے نام سے کتنے سو خانقاہیں عالم اسلام میں رہی ہیں اور ان کی کیا خدمات تھیں - انہوں نے تصریح کی ہے کہ:

ولا تخاذ الربط والزوايا اصل من السنة و هو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتخذ لفقراء الصحابة الذين لا ياوون الى اهل و لا مال مكانا فى سجده' كانوا يقيمون به عرفوا باهل الصفة.

(ج: ٤' ص ٣٠٢ ذکر الربط)

"ان خانقاہوں کی اصل سنت سے ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک جگہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مخصوص کر دی تھی جو فقیر تھے اور وہ اہل وعیال اور اسباب واموال سے فارغ تھے - وہ مسجد ہی میں رہا کرتے تھے اور انہیں اصحاب صفہ کہا جاتا تھا -"

ہمارے دور میں بعض بے اعتدالیوں کے سبب خانقاہیں بدنام ہوئی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس ادارے نے امت کو ہر دور میں بہترین افراد فراہم کیے ہیں - یہ افراد سازی کے مراکز تھے اور امت کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب ان خانقاہوں کا ختم ہو جانا بھی ہے کہ اب افراد کا قحط پڑ گیا ہے - وہ ادارے ہی تباہ ہو گئے جہاں انسان

بنتے تھے اور ان اداروں کا خلا پھر آج تک پر نہیں ہو سکا - اب بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ مشائخ کاملین ان اداروں کا احیاء کریں -

مشائخ وہ درکار ہیں جنہوں نے باقاعدہ سلوک کہیں شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر طے کیا ہو اور اپنے شیخ کی صحبت میں رہے ہوں - محض اسباق واذکار کی وجہ سے خلافت ملے اور صحبت شیخ نہ اٹھائی ہو تو اخلاق میں کمی اور تربیت میں نقص رہ جاتا ہے - جس کا دل دنیا کی محبت سے پاک' جس کی صحبت غیبت سے دور' جس کا دل دوستوں کے لئے چشم براہ اور دشمنوں کے لئے اس سے زیادہ وسیع ہو' جس کو غصہ بغض اور حسد سے نجات ملی ہوئی ہو اور جس کے ہاں اسلام اپنی ذاتی خواہشات اور اغراض ومقاصد کے لئے استعمال نہ ہوتا ہو' وہ کتاب وسنت کے تقاضوں سے خوب باخبر ہو اور شرک وبدعت سے ہزار بار مجتنب ہو جس کی ہاں امارت کی رعایت اور غربت کی ناقدری نہ ہو' وسیع النظر اور تقاضائے وقت سے باخبر ہو -

مگر افسوس کہ میدان خالی ہے اور خال خال ان شرائط کے متحقق مردان کار نظر آتے ہیں -

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق ومغرب کے مے خانے
یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا
نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر وکسریٰ

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

عقابی نظر کے مشائخ کی گدیاں اب زاغوں کے تصرف میں ہیں- ناقص شیخ خود تو تباہ ہوتا ہی ہے جو اس کی طرف رجوع کرے اس کی تباہی میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی- حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

و قوی ترین اسباب فتور در طلب انابت است بشیخ ناقص که بسلوك و جذبه کار را تمام ناکرده بمسند شیخی خود راکشیده است. طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مهلك.

(ج:۱ مکتوب ٦١ حصه دوم دفتر اول)

"جس شیخ نے خود سلوک و تزکیہ کی منازل مکمل نہ کی ہوں اور وہ شیخ کی مسند سنبھال لے تو ایسے ناقص شیخ سے اصلاح کے لئے رجوع کرنا بہت فساد پیدا کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سستی پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے- مرید کے لئے ایسے ناقص شیخ کی صحبت ایسا زہر ہے جو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور ایسے شیخ کی طرف رجوع اس مرض کو دعوت دینا ہے جو مرض مرید کو ہلاک کر دے-"

مشائخ جن کی خانقاہوں پر عشق و محبت الٰہی کا سودا ملتا تھا گویا کہ

ناپید ہو گئے ہیں- ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے تک ایسے "مرد" تھے جن کے ہاں مے بقدر خمار دستیاب تھی اور جن کے مے کدے کے بارے میں بلا تکلف یہ کہا جا سکتا تھا کہ

جہاں سرور میسر تھا جام و مے کے بغیر
وہ مے کدے بھی ہماری نظر سے گذرے ہیں

مگر اب

شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بے گانے رہے
رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے؟

خانقاہ بھی ایسی ہو جہاں صحیح عقیدے کی تعلیم ہو- مشائخ کے اعمال سنت کے مطابق ہوں- علم صحیح ہو- قرآن کریم کی تعلیم کا اہتمام ہو- اہل علم کے لئے وسیع کتب خانہ جہاں ان کا قیام ہو اور وہ اپنی علمی ضروریات کو پورا کر سکیں- خورد و نوش میں سادگی ہو- اس فقر کی تعلیم ہو جو غیور ہو اور حسد، بغض، کینہ، غیبت، بدگمانی، فضول گفتگو، حدیث نفس، غصہ، عیاری اور شہوت پرستی کا باقاعدہ علاج ہوتا ہو- جہاں صبر، شکر، اعتماد علی اللہ، حسن ظن، حق گوئی، متحمل مزاجی، سلامتی صدر اور کف لسان کی تعلیم دی جاتی ہو-

ایسے ادارے اگر آج بھی زندہ ہو جائیں اور ایسے مشائخ اگر آج

بھی اپنے فرائض منصبی ادا کریں تو پھر سے وہ فضا لوٹ آئے جس کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

پورے عالم کا فساد درحقیقت انسان کے اندر کا فساد ہے- یہ فساد انسان کے اندر محدود ہوتا ہے اور جب یہ انسان کے سینے سے باہر نکلتا ہے تو پھر پورے عالم میں پھیل جاتا ہے اور پھر اس کی تباہیاں بھی لامحدود ہوتی ہیں- اور اس کا علاج صرف اور صرف خانقاہی نظام میں انسانوں کی اصلاح ہے- جب تک انسان کا اندر درست نہیں ہوگا، پوری دنیا کا نظام درست نہیں ہوسکتا اور انسان کا اندر جبھی درست ہوگا جب وہ ان چار مراحل کو طے کرے جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا-

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم انہی مراحل سے گزر کر صحیح معنی میں انسان بنے تھے- وہ اسی آگ اور بھٹی پر چڑھ کر کندن ہوئے

تھے- وہ اسی فقر کے ساتھ قیصر روم سے جا ٹکرائے اور اسے پاش پاش کر دیا- انہوں نے اسی فاقہ مستی کے سنگ کسریٰ کو ہمیشہ کے لئے مدفون کر دیا- آسمان نے اپنی برکات انہی کے لئے نازل کیئے- سمندر نے ان کے پاؤں چومے اور راستہ دیا- جنگلوں کے حیوانات نے ان کا حکم مانا اور اپنی ایذا رسانی سے دستبردار ہوگئے زمین نے انہی کے تلوے چاٹے اور اپنا وجود ان کے حوالے کر دیا- تا قیام قیامت فقر غیور اور اسرار شاہنشاہی کے محرم، مقتدا اور پیشوا یہی اصحاب صفہ ہیں- رضی اللہ عنہم وارضاھم-

انہی اصحاب صفہ میں سے ایک ہستی حضرت جرھد رضی اللہ عنہ کی بھی ہے- علماء اسماء الرجال میں اس بات پر اختلاف ہے کہ اس نام کی ہستیاں دو ہیں یا ایک ہے- کچھ کا خیال ہے کہ حضرت جرھد بن خویلد رضی اللہ عنہ کی شخصیت الگ ہے اور حضرت جرھد بن رزاح رضی اللہ عنہ علیحدہ ہیں- ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کے قائل ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور صاحب اسد الغابہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ایک ہی شخصیت ہیں- کسی نے ان کے والد کا نام درج کر دیا ہے اور کسی نے دادا کا مگر شخصیت ایک ہی ہیں-

حضرت جرھد بن خویلد رضی اللہ عنہ کا قیام مسجد نبوی میں اسی چھپر کے نیچے رہتا تھا جہاں دیگر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم زندگی بسر کر رہے تھے- ان کا یہ شرف ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور کچھ دیر کے لئے تشریف فرما ہوئے- الاصابہ میں لکھا

ہے۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم جلس الیه و کان من اصحاب الصفة. (ج : ١ ص ٥٨١ حرف الجیم رقم: ١١٣٤ جرهد بن خویلد)

"جناب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور یہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔"

ان کے بیٹے حضرت سلیمان بن جرہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت جرہد رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تھے اور اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی ران برہنہ تھی۔ جناب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور اس حالت کو دیکھ کر فرمایا:

غط فخذك فانها عورة. (معرفة الصحابة لابی نعیم: ج ٢ ص ٦٢٣. رقم: ٥١٠ جرهد الاسلمی)

"اپنی ران کو ڈھانپو۔ یہ تو ستر میں داخل ہے۔"

صلح حدیبیہ میں بھی یہ شریک تھے اور اس اعتبار سے انہیں یہ شرف بھی حاصل ہے کہ یہ بیعت رضوان میں بھی شامل تھے۔

افریقہ کی فتوحات میں بھی ان کی شرکت رہی ہے اور وہاں جہاد میں مسلسل تشریف لے جاتے رہے ہیں۔

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ انہوں نے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا۔ بارگاہ نبوی ﷺ سے حکم ہوا۔

کل بالیمین. "دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ"

انہوں نے عرض کیا:

انها مصابة. "دائیں ہاتھ پر چوٹ لگی ہے۔"

گویا کہ اپنا عذر بیان کیا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم تو بہت عزیز تھے۔ ان کی شفقت و محبت نے اپنا رنگ دکھایا اور آپ نے ان کا دایاں ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر

فنفث علیها. "اس پر تھتکار دیا۔"

اور اس کا اثر یہ ہوا کہ:

فما شکا حتی مات. (الاصابة ج : ١ ص: ٥٨١ حرف الجیم)

"پھر آپ کے ہاتھ میں کوئی تکلیف نہ رہی یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔"

جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک اور ایک پھونک نے یہ اثر کیا کہ حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کا یہ ہاتھ ان کی وفات تک ہر طرح کے درد والم سے محفوظ رہا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کی چوکھٹ پر پڑے ہوئے اور آپ کی مسجد کے "مسافر" آپ کی نگہ التفات سے محروم

رہتے - آج بھی جو خوش نصیب اس مرقد مبارک پر حاضری دیتے ہیں اور دعا کے لئے عرض اور سلام پیش کرتے ہیں 'کب محروم رہتے ہیں - زبان حال سے عرض کرتے ہیں -

آج اک بھاگا ہوا مجرم ترا آیا ہوں میں
عمر کے اوقات زریں کو گنوا آیا ہوں میں
قابل بخشش نہیں ہوں اس پہ بھی لیکن حضور
دل میں امیدوں کی اک دنیا بسا لایا ہوں میں
گرچہ غفلت میں متاع دین و دنیا لٹ گئی
دل میں تھا اک درد تیرا وہ بچا لایا ہوں میں
حاضری دیتا ترے در پہ یہ کب توفیق تھی
تیری رحمت کے سہارے پر چلا آیا ہوں میں
دو جہاں میں مل نہیں سکتی اماں تیرے سوا
ہر طرف سے ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا ہوں میں
کچھ بھی ہوں کیسا بھی ہوں لیکن اے رحمۃ للعالمین
لاج رکھ لیں بے دیار و بے نوا آیا ہوں میں
حال جب احباب پوچھیں تو ظہیر ان سے کہو
دل پہ داغ معصیت تھے جو دھلا لایا ہوں میں

❁❁❁

(۶) حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ

بدر کی فتح نے مسلمانوں کی دھاک بٹھادی - جنہیں کل تک غلام بنا کر ان پر ظلم کیا جا رہا تھا آج انہوں نے اپنے ظالم آقاؤں کے خیموں کی طنابیں اکھیڑ دی تھیں - یہ ابھرتی ہوئی طاقت کفار مکہ اور یہود مدینہ دونوں کے لیے موت کا پیغام تھی - اور دونوں نے اپنی بقا کے لیے سر توڑ کوششوں کا آغاز کیا - مدینہ طیبہ میں یہودیوں کا ایک علم بردار کعب بن اشرف تھا اور اسے جب یہ خبر ملی کہ کفار مکہ بدر میں بری طرح پٹ گئے ہیں تو ان الفاظ میں ماتم کناں ہوا -

و اللہ لئن کان محمد اصاب ھؤلاء القوم لبطن الارض خیر من ظھرھا.

اللہ کی قسم اگر ان مکہ والوں کو محمد (ﷺ) نے شکست دے دی ہے تو پھر زمین کے اوپر رہنے سے گڑ جانا بہتر ہے -

اس کے بعد اس نے مکہ مکرمہ کا سفر کیا مشرکین مکہ یہودیوں کی ذہنی برتری کے قائل تھے اور ان کی بات کو اس لیے بھی اہمیت دیتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہود مدینہ کا دین بہرحال ایک آسمانی دین ہے - پھر یہ کعب بن اشرف یہودی مذہبی رہنما بھی سمجھا جاتا تھا اس لیے انہوں نے اس سے کہا -

انا شدك أدیننا احب الی الله ام دین محمد و اصحابه- و اینا اهدی فی رایك و اقرب الی الحق.

ہم آپ کو اللہ کی قسم کھلاتے ہیں کہ آپ بتائیں اللہ تعالیٰ کو ہمارا مذہب زیادہ پسند ہے یا محمد ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور آپ کی کیا رائے ہے ہم دونوں میں سے زیادہ ہدایت یافتہ اور اللہ تعالیٰ کے قریب کون ہے؟

وہ یہودی کعب بن اشرف بخوبی جانتا تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہی حق پر اور ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے ہیں مگر اس نے جھوٹی قسم قبول کر لی اور کہا۔

انتم اهدی منهم سبیلا.

"اے اہل مکہ تم ہی زیادہ ہدایت والے ہو۔"

یہ جھوٹ اور پھر جھوٹی قسم اور پھر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا یہودیوں کا وطیرہ تھا۔ جھوٹ کو کسی دین و مذہب نے بھی روا نہیں رکھا کہ اس سے اخلاقیات کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور بولنے والے کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر یہ جھوٹ جب مذہبی قیادت بولے اور عوام اس قیادت کو تسلیم کر لیں تو یہ اس معاشرے کے اخلاقی دیوالیے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

کعب بن اشرف یہودی مذہبی قیادت کا جھوٹا تھا اور ہر دور میں ہر مذہب میں جھوٹی مذہبی قیادت کعب بن اشرف کی نیابت کا حق ادا

کرتی رہی ہے۔ اہل مکہ کو ایک مرتبہ پھر جنگ پر اکسا کر یہ مدینہ منورہ لوٹا اور مسلمان خواتین پر شاعری کے ذریعے چوٹیں کسنے لگا۔ پھر ان شرارتوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی شہادت کے منصوبے اور ان کے لیے توہین آمیز اشعار پڑھے جانے لگے۔ کعب بن اشرف کی حرکتیں جب حد سے زیادہ گذرنے لگیں تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا۔

((من لی بابن الاشرف؟ فقدا ذانی)).

"کون ہے جو اس ابن اشرف کا علاج کرے؟ اس نے مجھے بہت تنگ کیا ہے۔"

اور پھر دعا مانگی۔

((اللّٰهم اكفنی ابن الاشرف بما شئت فی اعلانه الشر و قوله الاشعار)).

"اے اللہ ابن اشرف کے مقابلے میں جیسے آپ چاہیں میرے لیے کافی ہو جائیں اس کا شر پھیل گیا ہے اور اس کے اشعار بھی شر انگیز ہیں۔"

جناب رسول اللہ ﷺ کی اس پکار پر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔

انالك به یا رسول الله انا اقتله.

"یارسول اللہ ﷺ آپ کی طرف سے اس کا علاج کرنے کو میں

ہی کافی ہوں - میں اسے ٹھکانے لگادیتا ہوں -"

ارشاد ہوا -

((فافعل ان قدرت علی ذلك)).

اگر تم ایسے کر سکتے ہو تو ضرور کرو -

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد چلے گئے اور جناب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے - آپ نے انہیں بلا کر وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا میں نے آپ سے عرض تو کیا تھا کہ کعب بن اشرف کا علاج میں کر دوں گا مگر مجھے اب یہ ڈر ہے کہ پتہ نہیں یہ کام کر بھی سکتا ہوں یا نہیں ؟ اور دوسرے اس کام کو کرنے کے لیے مجھے آپ کے بارے میں کچھ نامناسب الفاظ بولنے پڑیں گے - اس کا کیا حل ہو ؟

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا -

((انما علیك الجهد)).

"تم اپنی کوشش کر کے دیکھ لو -"

اور دوسری بات کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا -

((فقولوا مابدا لکم فانتم فی حل من ذلك)).

"میرے متعلق جو کچھ بھی تم مناسب سمجھو کہو تمہیں اس بات کی اجازت ہے -"

پھر آپ نے انہیں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مشورہ

لینے کا حکم ارشاد فرمایا - اور پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی -

(۱) محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (۲) ابو نائلہ سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ (۳) عباد بن بشر رضی اللہ عنہ (۴) ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہ (۵) حارث بن اوس رضی اللہ عنہ - یہ حضرات مدینہ طیبہ سے نکل کر اس کے قلعے میں پہنچے جو مدینہ طیبہ کے جنوب میں کچھ فاصلے پر تھا - حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف سے ملے اور کہا - یہ شخص (جناب رسول اللہ ﷺ) ہم سے صدقے طلب کرتا رہتا ہے - اور اس نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے - کعب نے کہا ابھی تو تم نے کچھ نہیں دیکھا تم اس سے ابھی اور تنگ ہو جاؤ گے' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم فی الحال تو انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے آپ یہ مہربانی کریں کہ ہمیں کچھ غلہ دے دیں - کعب بن اشرف نے کہا - غلہ تو میں تمہیں دے دوں گا مگر تم میرے پاس کوئی چیز رہن رکھوا دو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا چیز رہن رکھوائیں تو وہ یہودی بولا - اپنی عورتیں رہن رکھوا دو - انہوں نے کہا - آپ تو عرب کے سب سے زیادہ خوب صورت جوان ہیں ہم اپنی عورتیں آپ کے پاس کیسے رہن رکھوا دیں کہیں وہ آپ ہی کی نہ ہو جائیں -

اس نے کہا پھر اپنے بیٹے رہن رکھوا دو - انہوں نے فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ کل کو یہ جوان ہوں گے تو لوگ انہیں طعنہ دیں گے

کہ تم غلے کے عوض میں رہن رکھوائے گئے تھے البتہ آپ اگر چاہیں تو ہم اپنا اسلحہ آپ کے پاس رہن رکھوا دیں۔اس نے اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔

پھر حضرت سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ کی گفتگو بھی کعب بن اشرف کے ساتھ ایسے ہی ہوئی اور یہ سب حضرات مدینہ طیبہ واپس لوٹ آئے۔

رات کے وقت ان سب نے اپنے اپنے ہتھیار لیے۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے جانے کی اجازت طلب کی آپ ان کے ساتھ جنت البقیع تک چل کر آئے پھر چہرۂ مبارک ان کی طرف کیا اور فرمایا۔

((انطلقوا علی اسم الله اللهم اعنهم)).

''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جاؤ۔اے اللہ ان کی مدد فرما۔''

چاندنی رات تھی جناب رسول اللہ ﷺ انہیں رخصت فرمانے کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور یہ حضرات کعب بن اشرف کے پاس اپنے ہتھیاروں سمیت پہنچ گئے۔حضرت سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے ذرا اونچی آواز میں اسے پکارا۔اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی جب یہ بستر سے اٹھنے لگا تو اس کی بیوی نے اسے روکا اور بولی اللہ کی قسم اس بلانے والے کی آواز سے خون ٹپک رہا ہے۔مگر کعب بن اشرف نہ رکا اور جب باہر آیا تو یہ سب حضرات اس کے انتظار میں تھے۔کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔پھر حضرت سلکان رضی اللہ عنہ نے ایک قریبی میدان

''شعب العجوز'' کی طرف اشارہ کر کے کہا کعب آؤ وہاں چل کر مزید باتیں کرتے ہیں۔اور کعب چل پڑا۔

کعب نے خوشبو لگا رکھی تھی۔ حضرت سلکان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کعب ایسی عمدہ خوشبو تو سونگھنے میں آئی نہیں۔کعب نے تکبر سے سر اٹھایا اور بولا اس وقت خوشبو لگانے والی سب سے بہتر لڑکی میرے پاس ہے۔حضرت سلکان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کعب اگر اجازت دو تو تمہارا سر سونگھ لوں۔کعب نے اپنا سر جھکا دیا۔انہوں نے سونگھا اور پھر اسے چھوڑ دیا۔کچھ فاصلے پر پہنچ کر انہوں نے کعب سے اس کا سر سونگھنے کی دوبارہ فرمائش کی اس نے اپنا سر جھکایا تو حضرت سلکان رضی اللہ عنہ نے اسے قابو میں لے لیا اور فرمایا۔

اضربو عدو الله.

''قتل کر و اللہ کے اس دشمن کو۔''

باقی چاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر تلواریں چلا دیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کدال ماری جس نے اسے کمر سے لے کر پیٹ تک کاٹ دیا۔پھر انہوں نے اس کا سر کاٹا اور چل پڑے۔ مختلف محلوں سے گذرتے ہوئے جب یہ ''حرۃ العریض'' پہنچے تو حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کا معلوم ہوا کہ وہ نہیں پہنچ پائے۔اس کاروائی میں دراصل انہیں اپنے ہی کسی دوست صحابی رضی اللہ عنہ کی تلوار لگ گئی تھی اور زخم سے خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گئے تھے۔ان

حضرات نے انہیں ڈھونڈا- اور پھر اٹھا کر لے آئے-

رات کا آخری پہر چل رہا تھا کہ یہ مسجد نبوی علی صاحبھا الصلوۃ و السلام کے قریب پہنچ گئے اور زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا- جناب رسول اللہ ﷺ حسب معمول تہجد کی نماز ادا فرما رہے تھے- آپ نے سلام پھیرا- اور ان کے نعرے سے سمجھ گئے کہ انہوں نے کعب بن اشرف کا علاج کر دیا ہے- آپ نے تکبیر کہی اور انہیں دیکھ کر فرمایا-

((افلحت الوجوہ)). "اللہ ان چہروں کو خوش رکھے-"

انہوں نے عرض کیا-

و وجھك یا رسول اللہ.

اللہ تعالیٰ آپ کے چہرے کو بھی شاداب رکھے-

اور پھر کعب بن اشرف کا سر جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینک دیا- ان کا یہ کارنامہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی میں تھا- یہ وہ پاک طینت افراد تھے جو خود آگاہ و خدا آگاہ تھے اور پھر اس شعور کو رسالت مآب ﷺ کے عشق نے آب دی تھی' کیا کسر باقی رہ گئی تھی؟-

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

اب انہیں پیش کیا گیا جنہیں تلوار سے زخم لگ گیا تھا اور خون بھی بہت زیادہ بہہ چکا تھا- جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارث بن

اوس رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور یہ کہتے ہیں کہ:

((تفل رسول الله صلی الله علیه وسلم علی جرح صاحبنا و رجعنا الی اھلنا)).

رسول اللہ ﷺ نے اس زخم پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا اور پھر ہم سب اپنے گھروں کو لوٹ گئے-

اس لعاب مبارک سے زخم بھی ٹھیک ہوا خون بہنا بھی رک گیا اور گھر کو واپسی بھی ہو گئی- جناب رسول اللہ ﷺ کی شفقتیں اور محبتیں بحر بیکراں تھیں اور پھر جو حضرات آپ کے لیے موجب راحت بنے تھے ان پر تو آپ کی مہربانی کچھ اور بھی سوا ہی تھی-

ارض و سماء میں آیہ رحمت روز جزاء میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم' ﷺ
آئینۂ الطاف الٰہی رحمت جس کی لامتناہی
جس کی ہدایت "اِرْحَمْ تُرْحَمْ" ﷺ

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(١) کتاب المغازی للواقدی- ج: ١' ص: ١٨٧' قتل ابن الاشرف

(٢) الکامل فی التاریخ- ج: ٢' ص: ١٤٤ ' ذکر قتل کعب بن الاشرف الیھودی.

(٣) البدایة- ج ٤' ص: ٥ مقتل کعب بن الاشرف الیھودی.

(۷) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

جناب رسول اللہ ﷺ ۶ھ ہجری میں ادائیگی عمرہ کے لیے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے لیکن اہل مکہ نے آپ کے داخلے پر پابندی لگا دی اور لڑائی کی تیاری کرنے لگے۔ مکہ مکرمہ کے وہ مشرک سورما جن کی دھاک مسلم تھی ان میں ایک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حدیبیہ کے دن وہ بھی چاہتے تھے کہ جنگ ہو مگر جنگ کی بجائے صلح حدیبیہ کی اس شرط کے ساتھ تمام ہنگامے ختم ہو گئے کہ مسلمان آئندہ برس یعنی ۷ھ میں عمرے کے لیے بیت اللہ حاضر ہوں گے۔

جناب رسول اللہ ﷺ ۷ھ میں مکہ مکرمہ ادائیگی عمرہ کے لیے حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تھے ان میں حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے جو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے بار بار جس شخص کے متعلق مکہ مکرمہ میں ان سے دریافت فرمایا۔ وہ خالد بن ولید ہی تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ فرمایا۔

((این خالد)).

ولید تمہارا بھائی خالد کہاں ہے۔؟

ان کا جواب بھی کیا حسن ادب لیے ہوئے تھا، عرض کیا۔

یاتی اللہ بہ.

اللہ تعالیٰ ضرور خالد کو آپ کی خدمت میں بھیج دے گا۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((مثل خالد یجھل الاسلام))

تعجب ہے خالد جیسا شخص اسلام سے دور رہے؟

حتیٰ کہ مدینہ طیبہ واپسی ہو گئی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے جسے طلب فرمایا تھا اس محبت کا اثر اس دل پر بھی ہوا اور کچھ ماہ کے اندر ہی اندر حضرت خالد بن ولید، حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم تینوں دوستوں نے اکٹھے ہجرت کی۔ حضرت ولید رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ملے اور بولے۔

اسرع فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد اخبربك فسر بقدومك و هو ينتظركم.

خالد جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جلدی پہنچو۔ انہیں تمہارے مدینہ طیبہ پہنچنے کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ تمہارے آنے پر نہ صرف یہ کہ خوش ہیں بلکہ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ حاضر ہو گئے۔ اسلام قبول کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

الحمدلله الذی هداك قد كنت اری لك عقلا ورجوت ان لا یسلمك الا الخیر.

"تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے خالد جس نے تمہیں اسلام کی توفیق بخشی۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ تم بہت عقل مند انسان ہو اور مجھے امید تھی کہ تمہاری عقل تمہیں خیر کا راستہ ہی دکھائے گی۔"

پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ ہی کے ہو گئے۔ آپ کی پیشانی مبارک کے بال ان کے پاس تھے اور آپ نے انہیں اپنی ٹوپی میں سلوا لیا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یہ ٹوپی یرموک کے دن گم ہو گئی تو وہ نہایت بے قرار ہوئے اور جب تک مل نہیں گئی گویا کہ جان پر بنی رہی کسی نے عرض کیا کہ ٹوپی کی کیا حیثیت ہے؟ آپ اس کے گم ہونے پر اتنے بے قرار ہو گئے۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

فجعلتها فی هذه القلنسوة فلم اشهد قتالا و هی معی لا تبین لی النصر.

میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے بال اپنی ٹوپی میں سلوا لیے تھے اور یہ ٹوپی ہمیشہ جہاد میں میرے سر پر رہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انہی بالوں کی برکت سے مجھے فتح ہوتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں غزوۂ موتہ کے لیے روانہ فرمایا۔ پھر یہ فتح مکہ میں آپ کے ہمراہ رہے اور غزوۂ حنین میں تو جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں فوج کے اگلے حصے میں قیادت دی۔ معرکہ حنین بھی یادگار معرکہ تھا۔ مدد کے لیے اللہ کے فرشتے اس معرکے میں بھی نازل ہوئے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی ہمیشہ کی طرح اس معرکے میں بھی کام آئی۔ فتح ہو جانے کے بعد زخمیوں کی عیادت کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان زخمیوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

((من یدلنی علی رحل خالد بن الولید))

مجھے خالد بن ولید کا خیمہ بتادو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خیمے تک پہنچایا تو آپ نے دیکھا کہ خالد اونٹ کے کجاوے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں اور زخموں نے نڈھال کر رکھا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے زخموں کو ملاحظہ فرمایا اور اس سراپا محبت و رحمت نے اپنا لعاب مبارک متاثر جگہ پر لگا دیا۔

فتفل النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی جرحه فبری.

"پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک زخم پر لگایا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ ٹھیک ہو گئے۔"

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

فنفث على جراحه.

ان کے زخموں پر جناب رسول اللہ ﷺ نے تھتکار دیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی اور ہر شخص جسے جناب رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ضرورت تھی۔اس نے ہمیشہ انہیں اپنے غم میں گھلتے اور اپنے مصائب کا مداویٰ تلاش کرتے ہوئے پایا۔

سلام اس پر جو تھا ہمدرد مخلص غم نصیبوں کا
سلام اس پر جو تھا غم خوار مسکینوں غریبوں کا
سلام اس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اس پر جو دلسوزی سے بیواؤں کے کام آیا
سلام اس پر کبھی آسودہ ہو کر جو نہ سوتا تھا
سلام اس پر جو شب کے آخری حصوں میں روتا تھا

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(١) الاصابة ج: ١، ص: ٤١٤: حرف الخاء- رقم: ٢٢٠١.
(٢) الاستيعاب على هامش الا صابة - ج: ١، ص: ٤٠٧.
(٣) اسد الغابة- ج: ٢، ص: ٩٥ -حرف الخاء باب الخاء و الالف.
(٤) السيرة الحلبية- ج: ٣، ص: ١١٤ - غزوة حنين.
(٥) تهذيب تاريخ دمشق الكبير- ج: ٥، ص: ١٠٠.

(٨) حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ خلافتی عہدوں کے لیے افراد کا معیار ان کے ہاں بہت بلند تھا۔ایک خاص درجہ ان کے ہاں مقرر تھا اور اول تو وہ کسی ایسے شخص کو خلافت کی ملازمت نہیں دیتے تھے۔جو اس درجے سے کم ہو اور اگر کوئی اپنی ملازمت کے بعد اس معیار کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا تو اسے بھی معزول کر دیا جاتا تھا۔وہ خلافت کے ملازمین کی حکومتی زندگی سے لے کر نجی زندگی تک ان کے ہر ہر فعل کو اعلیٰ پیمانے پر رکھ کر جانچتے تھے۔بنو اسد کے ایک شخص کو اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر خلافت میں نوکری ملی وہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ امیر المومنین اپنے بچوں میں سے کسی کو پیار کر رہے ہیں۔تو انہوں نے کہا امیر المومنین آپ اس بچے کو بوسہ دے رہے ہیں میں نے تو اللہ کی قسم کبھی اپنے بیٹے کو پیار نہیں کیا۔امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چونکے اور فرمایا۔

و الله باولاء الناس اقل رحمة لا تعمل لى عملا ابدا.

"(جب تم اپنی اولاد کے لیے اتنے سنگدل ہو تو) اللہ کی قسم تم عوام کے لیے تو اس سے زیادہ کم رحم کرنے والے ہو گے۔

آئندہ سے کبھی بھی تم خلافت کی ملازمت نہیں کرو گے-''
اور پھر انہیں معزول فرمادیا-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جس بلند درجہ کے انسان تھے وہ خلافت کے ملازمین کو بھی اسی بلند درجے کا انسان دیکھنا چاہتے تھے-اور ان کی اپنی صلاحیتوں کو بھی جلا تو صحبت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام سے ہی ملی تھی-

ہیبت ایماں کا یہ اثر' ہے زلزلہ افگن نام عمر ہے
گردن باطل آج بھی ہے خم صلی اللہ علیہ وسلم
جمع اس میں سب شرط خلافت عدل و تدبر فضل و شرافت
جزم حقیقی' عزم مصمم صلی اللہ علیہ وسلم
بزم منور کی امکاں کی' سطح برابر کی انسان کی
دیں کی بنا کر دی مستحکم صلی اللہ علیہ وسلم
جن کو خدا سے مانگ کے پایا رجم شیاطیں جن کا سایہ
وہ مقصود مقصد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کو بھی خلافت میں ملازمت دی-اور انہیں ملازمت دینے کی وجہ ان کی فطری صلاحیتوں کے علاوہ ان کا ''بدری'' ہونا بھی تھا-اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے وہ تو خلافت راشدہ کی

اساس تھے-ان اہل بدر ہی کے متعلق تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا-

''لعل اللّٰہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنة''

''تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اہل بدر کی طرف نگاہ فرمائی اور فرمایا بدر والو اب جو تمہارا جی چاہے کرو میں نے تو جنت تمہارے لیے ضروری قرار دے دی ہے-''
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے-

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہ عامل حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ بدر میں کیسے پہنچے؟ فضل خداوندی کی بہترین مثالوں میں سے ایک یہ مثال بھی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ میدان بدر کی طرف تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے' ان کا تعلق مدینہ منورہ کے مشہور قبیلے بنو خزرج سے تھا اور یہ اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے لیکن خزرج قبیلے کے باقی نوجوانوں کو دیکھا جو جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے تو انہیں غیرت دامن گیر ہوئی اور اپنے ایک دوست کے ہمراہ جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ-

انا لنستحی ان شھید قومنا مشھدا لانشھدہ معھم.

''ہمیں اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ہمارا قبیلہ تو

جہاد کے لیے ایک مقام کا رخ کرے اور ہم اپنے قبیلے کے ساتھ نہ ہوں۔"

آپ نے ان کے مسلمان ہونے کے متعلق دریافت فرمایا اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو انہیں ساتھ لے جانے سے انکار فرمادیا۔ یہ دونوں دوست دوبارہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔

وہی جو کچھ دیر پہلے مشرک اور بدر میں شامل ہونے کے قابل نہ تھے' جناب رسول اللہ ﷺ کے اثر سے مسلمان بھی ہوے اور جب بدر کا معرکہ شروع ہوا تو یہ بھی اس میں شامل تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت ورفاقت تو بھٹی کی مانند تھی جو اس پر چڑھ گیا' کندن ہو کر نکلا۔ وہاں پہنچ کر لوگوں کو زندگی ملی اور وہاں کی موت پر ہزار زندگیاں قربان کیے جانے کے قابل تھیں۔

سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا
سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"

بدر میں بڑے زور کا معرکہ پڑا اور یہ جو ابھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ' ان کے مقابلے میں امیہ بن خلف آگیا؟ وہ امیہ بن خلف جو حضرت

بلال رضی اللہ عنہ پر مکہ مکرمہ میں ہر دن ظلم کا ایک نیا باب رقم کرتا تھا اور جب اس کے مظالم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پایہ استقامت میں لغزش نہ پیدا کرسکے تو اس نے ان کے گلے میں رسی باندھ کر مکہ مکرمہ کے بچوں کے حوالے کردیا کہ تمام شہر میں اسے گھسیٹتے پھرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کے انہی مظالم کو دیکھ کر اسے کہا تھا۔

الا تتقی اللہ فی ھذا المسکین حتی متی انت؟

"تمہیں اس مسکین پر ظلم کرنے کے بارے میں ذرا اللہ کا خوف نہیں رہا۔ آخر یہ ظلم کب تک چلے گا۔"

اور پھر اسی امیہ بن خلف سے اپنے ایک غلام کے عوض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے متعلق یہ تاریخی جملہ ارشاد فرما کر انسانی مساوات کی طرف اقوام عالم کی توجہ دلائی کہ۔

و اعتق سیدنا ابو بکر سیدنا بلالا.

"ہمارے آقا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے آقا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا۔"

امیہ بن خلف پر حضرت خبیب بن اساف اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما دونوں نے حملہ کیا اور امیہ بن خلف نے تلوار کا ایک وار حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر کیا اور ان کا شانہ اپنی جگہ سے سرک گیا' یہ اپنا لٹکا ہوا بازو لے کر اپنے آقا و مولیٰ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے-اس زخم کا مرہم اور اس درد کی شفا اس مشہد بدر کے صدر مفخم ﷺ کے علاوہ تھی ہی کہاں؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے

فتفل عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم و لامه و رده.

"ان کے شانے پر اپنا لعاب مبارک لگایا ان کے بازو کو باندھا اور شانے کی طرف چڑھادیا-"

بازو ٹھیک ہو گیا کوئی چوٹ اور تلوار کا اثر باقی نہ رہا- یہ اسی جذبے سے پھر امیہ بن خلیف کے مقابلہ جا کھڑے ہوئے- اور اب کی بار ان کی تلوار امیہ پر پڑی اور وہ مارا گیا-

جس بازو اور زخم پر جناب رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک لگا' اب اسی کے وار پڑنے تھے اس بازو پر اب کس کا وار چل سکتا تھا- یقیناً یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا معجزہ تھا-

زید و بلال خبیب و سلماں سب رفقاء انصار و اعواں
رحمت باری سب پر پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) مناقب امير المومنين عمر بن خطاب رضى الله عنه- ابن الجوزى رحمة الله - ص : ۱۲۰ - الباب الحادى و الا ربعون فى ذكر ملاحظة لعماله.

(۲) مرويات غزوئه بدر ص : ۳۵۰ - فضائل اهل بدر.

(۳) تهذيب التهذيب- ج' ۲:ص : ۵۴۸ - من اسمه خباب رقم : ۱۷۵۸.

(٤) دلائل النبوة ' ج : ٦' ص : ۱۷۸ - باب ماجاء فى تفله فى جراحة خبيب بن اساف.

(٥) تهذيب الكمال- ج : ٥ ' ص : ٥٤١' مستدرك الجز الخامس- حرف الخاء.

(٦) الاصابة- ج : ١' ص : ٤١٨ حرف الخاء رقم : ٢٢١٩.

(٧) اسد الغابة- ج : ۲' ۱۰۱ باب الخاء والباء خبيب بن اساف.

❀❀❀

(۹) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جتنے بھی علوم عطا فرمائے ہیں ان میں سے وحی الٰہی' احادیث قدسیہ' قضاء اور افتاء کے علوم ایسے ہیں جن کی سند خود ذات باری تعالیٰ تک پہنچتی ہے- ان علوم کے حامل انبیاء کرام علیہم السلام' حفاظ' محدثین' قضاۃ اور مفتیان کرام رحمہم اللہ اگر سند کے ایک سرے پر نظر آتے ہیں تو دوسری طرف خود حق تعالیٰ شانہ ہیں- سلسلہ وحی کو دیکھیے تو ارشاد ربانی ہے

﴿وَ مَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ﴾ (الانبیاء : ۲۵)

"اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول (علیہ الصلوۃ السلام) بھیجا اسے یہی حکم دیا کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے سو میری ہی عبادت کرو-"

یہ وحی بھیجنے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور جن تک پہنچ رہی ہے وہ انبیاء علیہم السلام ہیں-

حفاظ قرآن کریم یاد کرتے ہیں اور حفظ کرانے والے تمام اساتذہ کا سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے اور ان کے درمیان اور حق تعالیٰ شانہ کے درمیان کا واسطہ جبریل امین علیہ السلام ہیں-

احادیث قدسیہ کو دیکھیے تو یہ وہ مقدس جملے ہیں جن کے آغاز میں ہی جناب رسول اللہ ﷺ یہ تصریح فرمادیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا ہے-

قاضیوں کا سلسلہ ملاحظہ کیجئے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ خود انصاف فرمائے گا- ارشاد ربانی ہے-

﴿وَاللّٰهُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ﴾ (المومن : ۲۰)

"اور اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا-"

مفتیان کرام کی سند کا منتہیٰ بھی باری تعالیٰ ہی کی ذات مقدسہ ہے-

﴿یَسۡتَفۡتُوۡنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفۡتِیۡكُمۡ﴾ (المائدہ : ۱۷۷)

"یہ لوگ آپ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے-"

ان تمام سلاسل میں یہ قدر مشترک ہے کہ ایک طرف تو افراد اور انسان ہیں اور دوسری طرف وہ بابرکت ذات مقدسہ ہے جس کی عظیم صفت علم اور ارادہ ہے- اسی وجہ سے ان علوم میں برکت ہے اور ان کے حاملین بھی برکات کا منبع ہیں- پھر جو لوگ ان بابرکت علوم کو دنیا طلبی کے لئے استعمال کرتے ہیں' ان کی گرفت بھی دنیا و آخرت میں ایسی شدت کے ساتھ ہوا کرتی ہے- اور اسی طرح جو لوگ ان علوم کو بغیر سند کے خود مطالعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں نہ صرف یہ کہ ان کے علوم میں برکت نہیں ہوتی بلکہ وہ صحیح معانی و مطالب سے

محرومی کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں- ان متبرک علوم کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنانا اور ان کے ذریعے جھوٹی وجاہت و عزت کے حصول کی ناپاک مساعی اس جرم سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں کہ العیاذ باللہ کوئی شخص زمزم سے استنجاء کرے اور غلاف کعبہ سے ناک کی غلاظت صاف کرتا پھرے-

ان تمام شعبوں میں سے قضاء یعنی قاضی ہونا اور لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور افتاء یعنی لوگوں کو صحیح شرعی مسئلہ بتانا اور فتویٰ دینا تو بہت ذمہ داری اور نزاکت کا کام ہے- مفتی اور قاضی دونوں شرعی احکامات کے نگہبان اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی مراد و منشا بتانے والے افراد ہوتے ہیں- فرق ہے تو بس یہ کہ انتظامیہ چونکہ قاضی کے تابع ہوتی ہے' اس لئے وہ فتویٰ نافذ بھی کر دیتا ہے اور شرعی احکامات کا اجراء ہوتا ہے اور مفتی صرف شرعی احکامات بتا دیتا ہے' نفاذ کی طاقت اس کے بس میں نہیں ہوتی- دونوں (مفتی اور قاضی) اپنے اجر کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر اجر پانے والے' جن کا حشر قیامت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اور جن کی شفاعت سے ہزاروں گنہگار جہنم سے چھٹکارا پائیں گے اور اسی طرح دونوں اگر شرعی احکامات میں خیانت کے مرتکب ہوں گے تو پھر کوئی طاقت انہیں جہنم میں جانے سے نہیں روک سکے گی-

جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں جب

اسلام حجاز مقدس سے باہر نکل کر پھیلنے لگا اور حکومت کی حدود بڑھنے لگیں تو دور دراز کے علاقوں میں قاضیوں کا تقرر ایک ضرورت بن گیا- جناب رسول اللہ ﷺ نے آدھے یمن پر حضرت معاذ بن جبل کو اور آدھے یمن پر حضرت علی رضی اللہ عنہما کو قاضی مقرر فرمایا- حضرت معاذ تو جناب رسول اللہ ﷺ کے محبوب اور محبّ تھے- پھر عہدہ قضاء پر ان کا تقرر اس بات کا اعلان تھا کہ رسالت مآب ﷺ کو ان پر اور ان کی صلاحیتوں پر بھرپور اعتماد ہے-

یہ جب یمن پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' جو وہاں کے امیر تھے' ایک مقدمے کی سماعت کر رہے تھے- ایک یہودی نے اسلام قبول کیا تھا اور پھر مرتد ہو گیا تھا اور اس مقدمے کا فیصلہ ہونا تھا- حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فوری انصاف کے قائل تھے ان کا تقرر قاضی کی حیثیت سے ہوا تھا- وہ بمشکل اپنی سواری سے اترے تھے کہ یہ مقدمہ سن کر فرمایا:

قضی اللہ و رسوله ان من رجع عن دينه فاقتلوه.

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو جائے اسے قتل کر دیا جائے-"

اور پھر انہوں نے اس سزا کو نافذ کرنے کا مطالبہ حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کیا اور فرمایا-

واللہ لا اقعد حتی تضربوا عنقه.

''اللہ کی قسم میں تو اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اس شخص کی گردن نہ اڑا دی جائے۔''

چنانچہ انصاف کا یہ تقاضا پورا کیا گیا' انتظامیہ نے عدلیہ کے فیصلے پر عمل کیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گویا کہ زبان حال سے یہ بتا دیا کہ معاشرے میں انصاف قائم کرنا اسلامی حکومت کی پہلی ذمہ داری ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی تاخیر کو قطعاً روا نہ رکھا جائے گا۔

ارتداد کی سزا اسلام نے قتل متعین کی ہے اور آج کے دور میں مغربی تہذیب اور اس کے وکیل دنیا بھر میں یہ گاتے پھرتے ہیں کہ ارتداد پر قتل کی سزا آزادی کے منافی ہے۔ ارتداد کے جملے کتنے ہی دل آزار کیوں نہ ہوں' اللہ تعالیٰ اس کے انبیاء علیہم السلام' وحی' آسمانی کتابوں' فرشتوں اور کسی بھی مذہب کے مسلمہ عقائد کو کوئی جی بھر کر کوس لے' ان کے خلاف مغلظات بکے اور جو منہ میں آئے کہہ گذرے' جو چاہے لکھ مارے اور کوئی اس کو پوچھنے والا' اس کے قلم پر گرفت کرنے والا اور اس کی زبان کو لگام دینے والا نہ ہو' یہ آزادی ہے۔ اس تحریر اور تقریر کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں افراد کے جذبات جو مجروح ہوتے ہیں اور ان کے مذہبی حقوق ضائع ہوتے ہیں' اس کا کوئی خیال نہیں اور چند ایک حیا باختہ لوگوں کے جذبات کی تسکین کا نام آزادی ہے۔ کیا آزادی اسی کا نام ہے کہ دوسروں کی آزادی کو مجروح کیا جائے؟ ہائیڈ پارک لندن میں بھی آزادی ہے مگر وہاں کھڑے ہو کر ملکہ

وقت کے خلاف تقریر کیجئے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو برا کہیے' پولیس کو اگر اطلاع ہو جائے تو وہ وہیں کھڑے کھڑے بتا دے گی کہ آزادی کی حدود کیا ہیں۔ مغرب پوری دنیا کو ذہنی غلامی کے جس شکنجے میں جکڑنا چاہتا ہے' وہ کون سی آزادی ہے یہ چاہتے ہیں کہ سب لوگ اپنی سوچ' فکر' اخلاقی اقدار اور خاندانی نظام سے یکسر برطرف ہو جائیں اور جانوروں جیسی زندگی بسر کریں جنہیں کھانے پینے اور جنسی خواہشات پوری کرنے کے علاوہ کچھ سجھائی نہ دے اور رشتوں کے تقدس کو پامال کر کے آزادی کا لیبل لگا کر اخلاقیات کا دیوالیہ اور جنازہ نکال دیں تو ان کے مفہوم و مقاصد کی تکمیل ہو جائے گی۔ یہ جو اپنی بے ہودہ خواہشات کا تسلط ان پر کرنا چاہتے ہیں جو ابھی تک انسان بن کر رہنا چاہتے ہیں تو کیا یہ تسلط آزادی کے منافی نہیں ہے؟ یہ کسی کی آزادی میں خلل نہیں ہے؟ مغربی دنیا کے دانشور تو یہ چاہتے ہیں کہ

Love me and love my Dog

''مجھ سے محبت کرو اور پھر میرے کتے سے بھی محبت کرو۔''

مغرب کی نقالی کرو۔ جو کچھ یورپ کہے وہ کرو اور پھر اپنے خاندان' ماضی اور روایات سے کٹ کر وہ بھی کرو جو شیطان کہے۔

خود یورپ اور جدید دنیا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے۔ ان کے ممالک میں مذہبی بے حرمتی (Blasphemy) کا قانون کیوں ہے۔ اسلام نے مرتد کے لئے قتل کی جو سزا متعین کی ہے' اس کے

خلاف تو یہ آئے دن مضامین لکھتے اور اعتراض کرتے پھرتے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے ممالک کے اس قانون کے خلاف بھی کبھی احتجاج کیا ہے؟ کیا کسی ایک برطانوی انگریز نے کبھی برطانیہ میں رہ کر اپنے قانون کے اس جملے پر اعتراض کیا ہے کہ:

An attack on religion is necessarily an attack on the state.

"مذہب کی توہین، ریاست کی توہین کو مستلزم ہے۔"

State کے خلاف جملے تو قابل سزا اور قابل گردن زدنی ہوں، بغاوت کی سزا تو قتل ہو سکے مگر اللہ تعالیٰ کے خلاف جملے نہ تو قابل سزا ہوں اور نہ قابل گردن زدنی۔ اس کے قانون کے خلاف کیسی ہی بغاوت کیوں نہ کی جائے مگر اس حرکت کے مرتکب کو قتل کرنا آزادی کے خلاف ہو، یہ کیسا انصاف ہے؟ اپنے تول کے باٹ الگ اور اللہ تعالیٰ کے لئے باٹ الگ۔ کیا یہ آزادی ہے....؟ اگر منافقت کا نام آزادی ہے تو پھر بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔

روس کی تاریخ اور کیمونزم کو جس نے بھی پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ ٹرانسکی اور سٹالن کے نظریات میں کتنا اختلاف تھا۔ سٹالن جب برسر اقتدار آیا تو ٹرانسکی نے روس سے بھاگ کر میکسیکو میں پناہ لی۔ اور سٹالن نے اپنے ایجنٹ بھیج کر محض ان نظریاتی اختلافات پر ٹرانسکی کو میکسیکو میں قتل کروا دیا اور روس کی حکومت نے اس کو قتل کروانے کے

"جرم"، کو تسلیم بھی کر لیا۔ اس پر تو دنیا میں نہ کوئی احتجاج ہوا اور نہ انسانی حقوق کی تنظیمیں متحرک ہوئیں پھر اسلام کے خلاف ہی کیوں یہ پیٹ میں درد اٹھتا ہے کہ ارتداد کی سزا قتل ظلم ہے، اسے ختم کرنا چاہئے۔ ہمارا ابھی یہ مطالبہ ہے کہ پھر اپنے ممالک میں بھی وہ بغاوت کو جرم قرار نہ دیں۔ اپنے ممالک میں بھی وہ Blasphemy کے قوانین ختم کریں۔ پہلے انسانی حقوق کے ٹھیکے دار اپنے گھر کا جائزہ لیں۔ پھر ہم سے بات کریں۔

ان Uncivilised Custodians کو جنرل ایکمین کا خون یاد نہیں ہے کہ دنیا بھر کے یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ جرمنی میں ہزاروں یہودیوں کو اس نے قتل کروایا تھا۔ اس لئے "خون کا بدلہ خون" لینا چاہئے۔ پھر اسرائیل نے نہایت دیدہ دلیری اور دھڑلے کے ساتھ اس جنرل کو لاطینی امریکہ سے گرفتار کیا۔ اسے اسرائیل لا کر اس پر مقدمہ چلایا اور پھر اسے پھانسی دے دی۔ اس وقت امریکہ اور برطانیہ کہاں تھے؟ انسانی حقوق کی رگ اس وقت کیوں نہیں پھڑکی؟

کیا مسلمان اسلام اور رشتوں کے تقدس میں اس طرح بے غیرت ہو جائیں جیسے کہ آج کی مغربی دنیا ہے؟ کیا وہ اور ان کے وکلاء اور ایجنٹ یہ چاہتے ہیں؟ علامہ اقبال نے اپنے دور میں کہا تھا:

بے کاری و بے خواری و عریانی و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات؟

اور اب انٹرنیٹ (Internet) کے دور نے تو بات کہیں سے کہیں پہنچادی ہے۔ مغرب جس زہر کو ہم مسلمانوں کے رگ و پے میں اتارنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے' کیا اس پر چیخنا' چلانا اور انصاف کا تقاضا کرنا یہ کسی کی آزادی کو مجروح کرنا ہے؟ پچھلی کئی صدیوں سے یورپ دنیا بھر کے مظلوموں سے جس طرح کھیل رہا ہے اس پر کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہونی چاہئے؟ اتنا گھناؤنا کردار ہے یورپ کا کہ نفرت سے اس مکروہ شکل پر کوئی تھوک دے تو کم کرے ؎

ہوتا ہے ایک پل میں کھنڈر دل بسا ہوا
پانی بھی مانگتا نہیں تیرا ڈسا ہوا

ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو پھر اسلام ہی کیوں ارتداد کی سزا قتل کے لیے بدنام کیا جاتا ہے۔ مسلمان ہی کیوں زیر عتاب ہیں؟ کیا عیسائیت اور یہودیت میں بھی ارتداد کی سزا یہی نہیں ہے؟ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں Apostasy (Jewish and christian) کے عنوان کو پڑھ لیجئے تو ساری بحث کا خلاصہ یہی نکلے گا کہ ارتداد کی سزا اصل مذہب (یعنی یہودیت اور عیسائیت) میں قتل ہی ہے۔ اس سزا کی شہادت میں یہ الفاظ بھی تحریر کیے ہیں:

In order to marry a Jewess and being burned at oxford on 17th April 1222.

"ایک عام پادری کو ایک یہودی عورت سے شادی کرنے کے

لئے عیسائیت کو چھوڑنے (مرتد ہونے) کی وجہ سے آکسفورڈ (انگلینڈ) میں ۱۷ اپریل ۱۲۲۲ کو زندہ جلادیا گیا تھا۔"

دور حاضر کا مشہور انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (The New Encyclopedia Britannica) جو آج کے مغرب میں نہایت مستند شمار کیا جاتا ہے' اس کے الفاظ پڑھیے:

Certain Church theologians of the 4th and 5th centuries considered apostasy to be as serious as adultery and murder.

(Micropedia Ready reference vol: 1, p: 487, Apostasy, 15th edition)

"چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں چرچ کے بہت سے شارحین نے ارتداد کو اتنا ہی بڑا گناہ قرار دیا تھا جتنا کہ زنا اور قتل۔"

جب یہ گناہ (ارتداد) قتل کے برابر ہے تو یورپ کے جن ممالک میں آج بھی قتل کی سزا قتل کتابوں میں تحریر ہے انہیں چاہئے کہ یا تو وہ اپنے ہاں سے قتل کی سزا ختم کر دیں اور یا پھر اس گناہ کو قتل کے برابر قرار نہ دینے کے لئے اپنے چرچ سے رجوع اور اصرار کریں ورنہ پھر اسلام پر تنقید سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر لے لیں۔ البتہ یہ بات تسلیم کیے جانے کے قابل ہے کہ جب یورپ میں زنا عیب نہیں رہا بلکہ

ان کی آبادی کی غالب اکثریت اس ''خوشگوار فعل'' کے ذریعے دنیا میں وجود پذیر ہوئی ہے تو اس مجہول النسب قوم کا ارتداد کو قابل گردن زدنی قرار نہ دینا اور زنا ان دونوں کا برابر ہونا تو یہ اور ان کے ایجنٹ بر بنائے معذوری عقل قابل معافی ہیں-

یہودی قیامت تک اس الزام سے اپنے آپ کو بری ثابت نہیں کر سکتے کہ انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے جان بوجھ کر اپنے ذاتی اور نسلی مفادات کی خاطر بار بار اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام تورات میں تحریف کی ہے-اس تحریف شدہ صحیفے میں اب تک ارتداد کی سزا قتل ہی قرار دی گئی ہے-عبارت ملاحظہ ہو:

> 6If thy brother, the son of thy mother, or thy son, or thy daughter, or thy wife of thy bosom, or thy friend. which is as thine own soul, entice thee secretly, saying, Let us go and serve other gods, which thou hast not known, thou, nor the fathers;7 namely, of the gods of the people which are round about you, nigh unto thee, or far off from thee, from the one end of the earth unto the other end

of the earth; 8thou shalt not consent unto him, nor hearken unto him; neither shall thine eye pity him, neither shalt thou spare, neither shalt thou conceal him:9 but thou shalt surely kill him: thine hand shall be first upon him to put him to death, and afterward the hand of all the people.10 And thou shalt stone him with stones, that he die; because he hath sought to thrust thee away from the **LORD** thy God, which brought thee out of the land of Egypt, from the house of bondage.11 And all asrael shall hear, and fear, and shall do no more any such wickedness as this is among you.

12If thou shalt hear say in one of thy cities, which the **LORD** thy God hath given thee to dwell there, saying,13 Certain men, the childern of Be'li-al, are

gone out from amoung you, and have withdrawn the inhabitants of their city, saying, Let us go and serve other gods, which ye have not known;14 then shalt thouinquire, and make search, and ask diligently; and, behold if it be truth, and the thing certain, that such abomination is wrought among you:15 thou shalt surely smite the inhabitants of that city with the edge of the sword, 16 destroying it utterly, and all that is therein, and the cattle thereof , with the dege of the sword. And thou shalt gather all the spoil of it into the midst of the street thereof, and shalt burn with fire the city, and all the spoil thereof every whit, for the **LORD** thy God: and if shall be a heap for ever; it shall not be built again.17 And there shall cleave nought

of the cursed thing to thine hand: that the **LORD** may turn from the fierceness of his anger, and show thee mercy, and have compassion upon thee, and multiply thee, as he hath sworn unto thy fathers;18 when thou shalt hearken to the voice of the **LORD** thy God, to keep all his commandments which I cimmand thee this day, to do that which is right in the eyes of the **LORD** thy God.

(The Holy Bible Containing the old and new Testaments. King james version 1411. The fifth bok of mosis called **DEUTERONOMY** 12-14.p:173 marring against Idolatry13)

"۶ اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیرا بیٹا یا بیٹی یا تیری ہم آغوش بیوی یا تیرا دوست جس کو تو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے تجھ کو چپکے چپکے پھسلا کر کہے کہ چلو اور دیوتاؤں کی پوجا کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف بھی نہیں ۷ یعنی ان لوگوں کے دیوتا جو تمہارے گرداگرد تیرے نزدیک

رہتے ہیں یا تجھ سے دور زمین کے اس سرے سے اس سرے
تک بسے ہوئے ہیں ۸ تو تو اس پر اس کے ساتھ رضامند نہ
ہونا اور نہ اس کی بات سننا- تو اس پر ترس بھی نہ کھانا اور نہ
اس کی رعایت کرنا اور نہ اسے چھپانا ۹ بلکہ تو اس کو ضرور قتل
کرنا اور اس کو قتل کرتے وقت پہلے تیرا ہاتھ اس پر پڑے-
اس کے بعد سب قوم کا ہاتھ ۱۰ اور تو اسے سنگسار کرنا تاکہ وہ
مرجائے کیونکہ اس نے تجھ کو خداوند تیرے خدا سے جو تجھ کو
ملک مصر یعنی غلامی کے گھر سے نکال لایا برگشتہ کرنا چاہا ۱۱ تب
سب اسرائیل سن کر ڈریں گے اور تیرے درمیان پھر ایسی
شرارت نہیں کریں گے ۱۲

اور جو شہر خداوند تیرے خدا نے تجھ کو رہنے کو دیئے ہیں
اگر ان میں سے کسی کے بارے میں تو یہ افواہ سنے کہ ۱۳ چند
خبیث آدمیوں نے تیرے ہی بیچ میں سے نکل کر اپنے شہر
کے لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کر دیا ہے کہ چلو! ہم اور معبودوں
کی جن سے تم واقف نہیں پوجا کریں ۱۴ تو تو دریافت اور
خوب تفتیش کر کے پتا لگانا اور دیکھ اگر یہ سچ ہو اور قطعی یہی
بات نکلے کہ ایسا مکروہ کام تیرے درمیان کیا گیا ۱۵ تو تو اس شہر
کے باشندوں کو تلوار سے ضرور قتل کر ڈالنا اور وہاں کا سب
کچھ اور چوپائے وغیرہ تلوار ہی سے نیست و نابود کر دینا ۱۶ اور

وہاں کی ساری لوٹ کو چوک کے بیچ جمع کر کے اس شہر کو اور
وہاں کی لوٹ کو تنکا تنکا خداوند اپنے کے حضور آگ سے جلا
دینا اور وہ ہمیشہ کو ایک ڈھیر سا پڑا رہے اور پھر کبھی بنایا نہ
جائے ۱۷ اور ان مخصوص کی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھی
تیرے ہاتھ میں نہ رہے تاکہ خداوند اپنے قہر شدید سے باز
آئے اور جیسا اس نے تیرے باپ دادا سے قسم کھائی ہے اس
کے مطابق تجھ پر رحم کرے اور ترس کھائے اور تجھ کو بڑھائے
۱۸ یہ تب ہی ہو گا جب تو خداوند اپنے خدا کی بات مان کر اس
کے حکموں پر جو آج میں تجھ کو دیتا ہوں چلے اور جو کچھ خداوند
تیرے خدا کی نظر میں ٹھیک ہے اسی کو کرے-''

(کتاب مقدس: استثنا. ب:۱۳. ۶. صفحہ:۱۷۹. مطبوعہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور)

اس طول طویل عبارت کو بنظر انصاف پڑھنا چاہیے- اس میں
ارتداد کی سزا تو اسلام کی متعین کردہ سزا (قتل) سے بھی زیادہ ہے-
شریعت مطہرہ نے تو ارتداد کے بعد بعض صورتوں میں توبہ کی بھی
گنجائش دی ہے- عورتوں کو بعض حالات میں سزائے قتل سے مستثنیٰ قرار
دیا ہے- قتل سے پہلے مرتد کو اسلام کی دعوت اور قبولیت اسلام کی
مہلت کی بھی اجازت دی ہے- مگر یہاں یہودیت میں تو مرتدین کے
ساتھ ساتھ سارے شہر کو اور جانوروں کو بھی جلا دینے کا حکم ہے- پھر
اس شہر میں سے ایک ایک تنکا اکٹھا کر کے اسے بھی نذر آتش کر دیا

جائے- کیا اسلام کے مقابلے میں ارتداد کی یہ سزا زیادہ سخت نہیں ہے؟ پھر اسلام ہی بدنام کیوں کیا جاتا ہے؟ مسلمانوں سے زیادہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کو جواب دینے کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ ان ''آزادی'' کے دعویٰ داروں کے سامنے کس منہ سے جاتے ہیں- جب اس ڈھٹائی کا جواب ہو جائے تو پھر وہ جنہوں نے اسلام ہی پر جینے اور مرنے کا تہیہ کیا ہے' وہ ان نظریاتی حملوں کی یلغار کا جواب خود ہی دے دیں گے- کچھ گھبرانے کی بات نہیں- لگے ہاتھوں تورات کی ایک اور عبارت بھی ملاحظہ ہو:-

10And the man that committeth adultery with another man's wife, even he that committeh adultery with his neighbor's wife, the adulterer and the adulteress shall surely be put to death. 11 And the man that lieth with his father's wife hath uncovered his father's nakedness: both of them shall surely be put to death; their blood shall be upon them. 12 And if a man lie with his daughter-in-law, both of them shall surely be put to

death: they have wrought confusion; thier blood shall be upon them. 13 If a man also lie with mankind, as he lieth with a woman, both of them have committed an abomination; they shall surely be put to death; their blood shall be upon them. 14 And if a man take a wife and her mother, it is wickedness: they shall be burnt with fire, both he and they; that there be no wickedness among you. 15And if a man lie with a beast, he shall surely be put to death; and ye shall wurely slay the beast. 16And if a woman approach unto any beast, and lie down there- to, thou shalt kill the woman, and the beast: they shall surely be put to death; their blood shall be upon them.

(LEVITICUS. p.108. The therd book of mases. 20. 10 to 16)

''١٠ اور جو شخص دوسرے کی بیوی سے یعنی ہمسایہ کی بیوی سے

زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار ڈالے جائیں-۱۱اور جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے صحبت کرے اس نے اپنے باپ کے بدن کو بے پردہ کیا وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں-ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا-۱۲اور اگر کوئی شخص اپنی بہو سے صحبت کرے تو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں-انہوں نے اوندھی بات کی ہے-ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا-۱۳اور اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جیسے عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے نہایت مکروہ کام کیا ہے-سو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں-ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا-۱۴اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور اپنی ساس دونوں کو رکھے تو یہ بڑی خباثت ہے-سو وہ آدمی اور وہ عورتیں تینوں کے تینوں جلا دیئے جائیں تاکہ تمہارے درمیان خباثت نہ رہے-۱۵اور اگر کوئی کسی جانور سے جماع کرے تو وہ ضرور جان سے مارا جائے اور تم اس جانور کو بھی مار ڈالنا-۱۶اور اگر کوئی عورت کسی جانور کے پاس جائے اور اس سے ہم صحبت ہو تو تُو اس عورت اور جانور دونوں کو مار ڈالنا-وہ ضرور جان سے مارے جائیں-ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا-"

(کتاب مقدس-احبار-باب:۲۰از۱۰تا۱۶)

زنا کی جو سزا اسلام نے مقرر کی ہے کیا یہ سزائیں اس سے زیادہ سخت نہیں ہیں-اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زانی خواہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ بہر حال اس کی سزا موت ہے-اور اسلام نے دونوں میں فرق کیا ہے-شادی شدہ کے لئے اگر یہاں موت کی سزا ہے اور اسلام نے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ رجم' سنگسار کرنا (Stoning) بھی ایسی سزا نہیں ہے جس میں اسلام پر اعتراض ہو-کیا یہودی اور عیسائی علماء نہیں جانتے کہ مطلقاً زنا کی سزا تو تورات سے بھی ثابت ہے-پھر کس منہ سے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں-اور عیسائیت اور یہودیت کے پیروکار تو قیامت تک اس کالک کو اپنے چہرے سے زائل نہیں کر سکتے کہ اس دنیا میں زنا کو فروغ دینے میں یہ سب کے امام ہیں-دنیا کی کوئی قوم اس بے حیائی میں ان کی ساجھی اور شریک نہیں ہے-کتاب مقدس کی اسی عبارت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ہم جنس پرستی (Homosexuality) کی سزا بھی موت ہے-دونوں کو قتل کر دیا جائے اور کیا ہمارا دعویٰ جھٹلایا جا سکتا ہے کہ اللہ کی زمین پر اس گندے اور مکروہ کام کو عام کرنے والی بھی یہی مغربی دنیا ہے-آزادی کے نام پر اس بے حیائی کو رائج کرنے میں یہ آج بھی پہلے نمبر پر ہیں-حتیٰ کہ کیا اب ان کے ہاں اور صرف انہی کے ہاں لڑکوں کی باہمی شادیاں نہیں ہو رہیں؟ اور کیا امریکہ کی بعض ریاستوں میں ان شادیوں کو قانونی تحفظات بھی حاصل نہیں ہیں؟ پہلے تو صرف انگلینڈ بدنام تھا اب

تو پورا یورپ اور امریکہ اس حمام میں ننگے ہیں۔

؎ سچ کہندیاں بھانبڑ مچدا اے

اللہ تعالیٰ کے اس آخری دین پر جسے اس کی رضا اور خوشی کی سند حاصل ہے' نت نئے اعتراضات کا جواب سننے کے لئے حوصلہ درکار ہے۔اس کے پاسبان شیروں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنا تو یورپ نے ابھی تک نہیں سیکھا۔ صاف کہہ دینا اور مان لینا چاہیے کہ بدلتے زمانے کا ساتھ دینا اور جدید مسائل کا حل قدیم یہودیت اور عیسائیت کے پاس نہیں ہے۔ پراپیگنڈہ الگ بات ہے اور حقائق کی دنیا میں مقابلہ الگ بات ہے۔

خوب ہے نیم نگاہی بھی مگر وقت نہیں
آنکھ سے آنکھ ملا رات چلی جاتی ہے
اپنے اس ریشمی آنچل کی اڑانوں پہ نہ جا
کھول دے بند قبا رات جاتی ہے

کتاب مقدس کی یہ عبارت یہ بھی بتاتی ہے کہ بیوی اور اس کی ماں (ساس) دونوں سے شادی ایسا جرم ہے جس کی سزا زندہ جلانا ہے۔ کیا خوب اسلام میں اگر شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہو تو قابل صد اعتراض اور اپنے ہاں آگ میں تینوں کو جلانا عین انصاف۔ ساس سے زنا کی سزا باعتبار اختلاف مجتہدین اسلام میں کچھ بھی ہو وہ اس سے تو کم ہے کہ تینوں کو زندہ نذر آتش کر دیا جائے۔ دوسروں کے فولادی گھروں پر

پتھر پھینکنے کے ساتھ ساتھ اپنے شیشے کے گھروں کا بھی درشن کرایئے۔ یہ گتھی سلجھائے نہیں سلجھتی کہ مذہبی تقابل میں ایک سزا آپ کے ہاں انصاف کا تقاضا اور عین عدل اور ہمارے ہاں اسی جرم کی کم تر سزا ناانصافی کی مظہر اور عین ظلم ..... یہ دوہری منطق کیا ہے۔ پھر آپ غور کیجیے کہ آج کی اس جدید دنیا میں رشتوں کا تقدس کس نے ختم کیا ہے اور کون اس ناروا تگ و دو میں مصروف ہے؟ یورپ کے علاوہ اس جرم کا سہرا کس کے سر باندھا جاسکتا ہے۔ مسلمان معاشرے کتنی ہی پس ماندگی کا شکار ہوں' جہالت کے مہیب سائے کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں' ان کے ہاں اب تک ماں' بہن' بیوی' بیٹی' سب کا تقدس برقرار و بحال ہے۔ ایک لاکھ میں ایک عورت اور مرد بھی ایسا نہیں ملے گا جس کی یہ ہمت ہو کہ اس تقدس کو میلی نظر سے دیکھے مگر آپ سنایئے آپ کے ہاں کیا حال ہے؟ کیا آپ کا میڈیا (Media) مسلسل اس بات کی تلقین نہیں کر رہا کہ رشتوں کا تقدس احمقانہ خیال اور ایک قید ہے۔ اسے توڑ کر عقل و شعور سے کام لینا چاہئے اور آزاد فضا میں جنسی تعلقات کی تسکین ہونی چاہئے۔

کتاب مقدس نے جانوروں سے جنسی تعلق کی سزا بھی بیان کی ہے اور یہ سزا اس سے کہیں زیادہ ہے جو اسلام نے تلقین کی ہے۔ مگر بہت ادب اور احترام سے یہ بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ حیوانوں کے ساتھ اس حیوانیت کو دنیا بھر میں پیش کرنے والے کون ہیں؟ ذرا غور سے

سنیے، کوئی کسی فرنگی، امریکی اور کسی یورپین کا نام تو نہیں لے رہا؟

انسانیت کا شرف پامال کر کے اسے حیوانات کے گڑھے میں گرانے والے بھی وہی آزادی کے متوالے ہیں جن کا قلم اور زبان اسلام کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے۔ کوئی "شوریدہ سر" ان "متوالوں" کی حیوانیت پر کاری ضرب لگاتا ہے تو یہ تلملانے لگتے ہیں۔ پوری پوری نسل کو انہوں نے بے حیائی کے جہنم میں جھونک دیا ہے لیکن یہ جرم کسی کو نظر نہیں آتا۔ دنیا میں ان ظالموں سے زیادہ بھی آج کوئی مہاپاپی ہے؟

ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

عیسائی اور یہودی دنیا اگر آج پھر اپنے داغدار ماضی کو زندہ کر کے جنت کے وعدوں پر کوئی (Zealots Group) پیدا کرنا چاہتی ہے تو وہ کر گزرے۔ سپین چھن گیا ہے لیکن وہ خون تو ٹھنڈا نہیں ہوا جو سپین کے مسلمانوں میں تھا۔ مسلمانوں میں کمزوری آگئی ہے مگر اسلام تو قائم ہے۔ یہ اب بھی مرتد کو قتل کرنا ضروری ہی سمجھتے ہیں اور وہ ارتداد جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سے پیدا ہوتا ہو اس مرتد کو تو جہنم واصل کرنا از بس ضروری ہے۔ ان کے دیوانے تو اب بھی موت ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور ان پر قربان ہونے والے خون کا مقابلہ تو تسنیم و زمزم بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے شہید پر ہزاروں زندگیاں قربان اور ان کی ناموس پر کٹ مرنے والے پر بزم ارواح و ملائک

صدقے۔

شام ہو یا سحر دن ہو یا رات ہو جب کہیں ذکر خیر الانام آگیا
شوق میں ہر ملک عرش سے فرش پر ذکر سننے بصد احترام آگیا
ساقی حوض کوثر کے دربار میں جب کوئی تشنہ لب تشنہ کام آگیا
میرے سرکار کی چشم رحمت اٹھی اور کوثر کا لبریز جام آگیا
سخت تاریک و بے نور تھی شام غم لیکن آقا کی الفت کا دیکھو کرم
مٹ گئی تیرگی ہوگئی روشنی داغ دل کو بھی مشعل کا کام آگیا
اللہ اللہ نام حبیب خدا کتنا شیریں ہے اور کس قدر جانفزا
پھول سے کھل گئے لب سے لب مل گئے جب زبان پہ محمدؐ کا نام آگیا
یوں تو آئے جہاں میں بہت انبیاء آپ جیسا مگر ان میں کوئی نہ تھا
نور ہی نور برسا ہر اک چیز پر جب ستاروں میں ماہ تمام آگیا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن میں اس مرتد کے قتل کی سزا نافذ کروا کر اسلامی قانون میں ایک قابل تقلید روایت کا اضافہ فرمایا۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دراصل یمن کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا تھا اور ایک حصے پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے حصے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں قضا کا منصب سنبھال لیا تھا اور فیصلے فرمانے لگے تھے۔ یمن میں ہی کچھ لوگوں نے شیر کو پکڑنے کے لئے ایک گڑھا کھودا اور شیر جب اس گڑھے میں گر گیا تو لوگ اسے

دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ اس دھکم پیل میں ایک شخص اس گڑھے میں گر گیا اور گرتے گرتے اس نے ایک اور شخص کا دامن پکڑا اور وہ بھی گرا۔ اس دوسرے نے گرتے ہوئے ایک تیسرے شخص کا سہارا لیا اور تیسرے نے چوتھے شخص کو پکڑا اور یہ چاروں گڑھے میں جا گرے۔ شیر نے ان چاروں کو شدید زخمی کر دیا اور گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہوئے ایک شخص نے شیر کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا اور جب ان چار زخمیوں کو نکالا گیا تو کوئی تو اندر ہی مر گیا اور کسی نے باہر آ کر جان دے دی۔ اب تینوں آخری گرنے والے افراد کے قبیلوں نے پہلے شخص کے قبیلے سے خون ادا کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر وہ پہلا شخص گڑھے میں نہ گرا ہوتا تو باقی تین بھی نہ گرتے۔ اس لئے تمام غلطی اس پہلے شخص کی ہے اس پہلے گرنے والے کے قبیلے والوں نے کہا کہ ہم تو صرف اس ایک دوسرے شخص کی دیت دیں گے جسے ہمارے قبیلے کے آدمی نے پکڑا تھا۔ ان تمام قبائل میں خون ریزی کا سلسلہ شروع ہو جاتا یہاں تک کہ ایک آدمی بھاگا اور جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے آئے۔ اور فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہیں، میں بطور قاضی یہاں موجود ہوں۔ اس کے باوجود تم لوگ آپس میں لڑ مرنے کو تیار ہو۔ میں تمہارے مقدمے کا فیصلہ کر دیتا ہوں۔ اگر تمہیں منظور ہو تو مسئلہ حل ہو جائے گا اور اگر نہ منظور ہوا تو کم سے کم لڑائی سے تو رک جاؤ گے تم

اپنا مقدمہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جانا وہ سب سے زیادہ صحیح فیصلہ فرمانے والے ہیں اور پھر جو فیصلہ ہو جائے گا اس سے بھی یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ سب لوگ متفق ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا جتنے لوگ اس گڑھے پر موجود تھے ان سے پوری، نصف، تہائی اور چوتھائی دیت وصول کی جائے اور سب سے نچلے یعنی پہلے فرد کے ورثاء کو ۱/۴ دیت دی جائے کیونکہ اس کی وجہ سے اوپر والے تین ہلاک ہوئے۔ پھر دوسرے شخص کو تہائی دیت دی جائے کیونکہ اس کے ذمے دو انسانوں کا خون ہے پھر تیسرے شخص کو آدھی دیت جائے اور سب سے اوپر والے شخص کو پوری دیت دی جائے کیونکہ اس سے اوپر کوئی شخص ہلاک نہیں ہوا۔ کچھ لوگوں نے اس فیصلے کو مان لیا اور کچھ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تمسکوا بقضائی حتی تاتوا رسول الله صلی الله علیه وسلم فیقضی بینکم.

"میرے اس فیصلے پر فی الحال صبر کرو۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دو اور وہ جو فیصلہ بھی فرما دیں اسے مان لو۔"

حج کا موسم آیا اور یہ قبیلے بھی مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر تشریف فرما تھے کہ انہوں نے سارا مقدمہ پیش کیا آپ نے اپنی احرام کی چادر اچھی طرح

اوڑھی اور فرمایا:

انی اقضی بینکم ان شاء الله.

"میں ان شاءاللہ تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا-"

اتنے میں ایک آدمی نے دور سے عرض کیا کہ اس مقدمے کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن میں کیا تھا-

آپ نے وہ فیصلہ سنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی تصویب فرما دی- جناب رسول اللہ ﷺ کی تصویب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بڑے شرف اور اعزاز کی بات تھی- گویا کہ اس فیصلے میں فکر مرتضوی نے فکر نبوی کے منشاء کو پالیا- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجتہاد فرمایا اور اس کی تصدیق و تصویب دربار نبوی علیہ الصلاۃ والسلام سے ہوگئی- ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ضرور مل جاتے ہیں جن کے فکر کی گہرائی اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء تک پہنچ جاتی ہے- وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ ان جوارح اور آلات کے ہوتے ہیں جن سے غلبۂ حق اور باطل شکنی کا کام لیا جاتا ہے- وہ ذکر و فکر الٰہی میں گم ہو کر وہ مقام پالیتے ہیں جس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشاء کارساز
خاکی و نوری نہاد' بندہ مولا صفات
ہے دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو ' گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطہ پر کار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

ایسا ہر شخص اپنے دور میں حق و باطل کی کسوٹی بن جاتا ہے اور عقائد حقہ و اعمال صالحہ کی شناخت اسی کے ذریعے سے ہوتی ہے- یہ فکر کہ دین افراد کی بجائے کتاب و سنت سے براہ راست لیا جائے' صحیح نہیں ہے- کتاب و سنت کو چھوڑنا الحاد ہے اور جو افراد اتباع کتاب و سنت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے انہیں چھوڑ دینا گمراہی ہے- اگر صرف کتاب و سنت ہی کافی ہے اور "رجال" کی اتباع ضروری نہیں تو پھر "تعامل امت" کی کیا حیثیت باقی رہ جائے گی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اور وجود بے کار قرار پائے گا اور العیاذ باللہ اگر ان حاملین کتاب و سنت سے دین نہیں سیکھا جائے گا تو پھر کتاب و سنت کس دلیل سے کتاب و سنت ٹھہریں گے؟ آخر ان سب کے راوی بھی تو یہی افراد ہیں- پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی زبان کا اعتبار تو کر لیا جائے اور عمل کا اعتبار کرنے کی بجائے اسے اپنے خود تراشیدہ پیمانے سے ماپنا شروع کر دیا جائے- اس قسم کی بے شمار مثالیں صحابہ کرام اور اسلاف امت رضی اللہ عنہم میں ملیں گی کہ وہ کوئی

عمل کرتے تھے اور صرف یہ حوالہ دیتے تھے کہ میں نے فلاں کو یوں کرتے ہوئے دیکھا ہے- دین تو بہت اہم اور بلند ہے- عام دنیوی امور میں بھی ان میں سے کسی شخص کا عمل اور فعل لائق اتباع ہوتا تھا- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ لو اعلم کلبا یحب عمر لا حببتہ.

"اللہ کی قسم مجھے کسی کتے کے متعلق علم ہو جائے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے تو میں اس کتے سے محبت کروں گا-"

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کو حق کا معیار سمجھتے تھے اسی لیے تو اتنی بڑی بات ارشاد فرمائی اور یہ بھی کہ ان دونوں حضرات کا ایک دوسرے سے کیسا قوی تعلق تھا-

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ سود
گفتہ وے در کوے لیلیٰ گاہے گاہے رفتہ بود

(مجنوں نے ایک کتے کے پاؤں کو بوسہ دیا تو لوگوں نے اس فعل پر اعتراض کرتے ہوئے مجنوں سے پوچھا کہ اس حرکت کا کیا فائدہ؟ مجنوں نے کہا کہ یہ کتا کبھی کبھی لیلیٰ کے کوچے سے گزرتا ہے)

مگر اس بات کو وہی سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے محبت کے باب کو کبھی پڑھا ہو- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور میں حق و باطل کی کسوٹی

تھے- اب تک ان سے صرف اسی کو محبت ہے جو مومن ہے اور اسی کو نفرت ہے جو شخص منافق ہے- امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں' امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں' شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں' حضرت اقدس امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں اور سیدنا امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں سبھی حق و باطل کی شناخت اور معیار تھے- ان سے بس اسی کو محبت تھی جو مومن تھا اور اسی کو ان سے نفرت تھی جو منافق تھا-

قضاء و افتاء کی یہ تاریخ چلتی رہی- جناب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا- انہوں نے فرمایا:

انہ لا بد لی من اعوان.

"خلافت کے کام چلانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کچھ کام کے دوست مددگار بھی ہوں-"

یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

انا اکفیك القضاء.

"میں قضا کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہوں-"

اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

انا اکفیك بیت المال.

"میں بیت المال سنبھالنے کے لئے حاضر ہوں-"

اور پھر ان حضرات نے اپنے عہدوں کا حق ادا کر دیا-

کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی مخلص اور ایماندار کیوں نہ ہو حکومت و خلافت کے انتظامات چلانے کے لئے اس کے ساتھ ایک مخلص اور ایماندار جماعت (Team) کا ہونا ضروری ہے-اگر کوئی جماعت تو ہے مگر اس کا کوئی مخلص امیر نہیں ہے تو وہ لوگوں کا ایک گروہ، مخلصین کی ایک بھیڑ اور اچھے لوگوں کا اجتماع تو ہو سکتا ہے مگر اس سے نہ تو حکومت چلائی جا سکتی ہے اور نہ ہی معاشرے میں کوئی اجتماعی تبدیلی ظہور پذیر ہو سکتی ہے اور اسی طرح اگر متدین و متقی امیر تو ہے مگر اس کے دوست مخلص، جاں نثار اور اشارہ ابرو پر سر کٹانے والے نہیں ہیں تو اس فرد واحد کی صلاحیتوں سے انکار نہیں مگر اس کی صلاحیتوں کے لئے کوئی میدان نہیں ہے اور اس جوہر کا کوئی قدردان نہیں ہے-وہ جن لوگوں کی بھی قیادت کرے گا، انجام کار جب پلٹ کر نگاہ دوڑائے گا تو اس کے اپنے ہی خیموں میں دوستوں نے آگ لگا دی ہو گی-اس لیے قیادت اور مخلص جماعت دونوں کے اجتماع کے بغیر کوئی بھی حکومت اور انقلاب کامیاب نہیں ہو سکتا-خلیفہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کر دیا اور معاشرے کی سلامتی کا یہ عالم تھا کہ:

فمکث عمر سنة لا یتقدم الیه احد.

"پورے ایک سال تک مدینہ طیبہ کی عدالت میں کوئی مقدمہ آیا ہی نہیں-"

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور قضاء میں ایک مقدمہ آیا اور اس کی تفصیل یہ کہ ایک شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گھبرایا ہوا مسجد میں داخل ہوا-پریشانی کی وجہ سے صحیح بات اس کے منہ سے نکلنا دشوار تھی-حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کی بات غور سے سنو، اسے ضرور کوئی بات کہنی ہے-حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ایک طرف لے گئے تو اس نے یہ بیان کیا کہ ان کے گھر ایک مہمان آیا تھا-پھر اس نے اس کی بیٹی کے ساتھ بدکاری کی-حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان سن کر اس شخص کے سینے پر زور سے مکا مارا اور فرمایا:

قبحك اللہ الاسترت علی ابنتك.

"اللہ تیرا ناس کرے تو کیسا باپ ہے، اپنی بیٹی کے گناہ کو چھپا نہیں سکا-"

پھر ان دونوں پر حد جاری کی گئی اور اس مہمان اور اس لڑکی کا نکاح بھی کروایا گیا-حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ ایسے مقدمات کو عدالت میں لانے کی بجائے خود آپس میں طے کر لیں اور زنا میں ملوث مرد و عورت کی شادی بھی کروادی جائے-حتیٰ کہ وہ

ایسے افراد کی شادی کروا کر انہیں ایک ساتھ رات کو رہنے کا بندوبست بھی کروا دیتے تھے مگر ایسے مقدمات جب عدالت میں آجاتے تھے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی حد (خواہ وہ کوڑوں کی صورت میں ہو اور خواہ رجم کی صورت میں) اسے بھی ضرور نافذ فرما دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضی تھے اور خود ان کے ایک مقدمے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اپنے فیصلے کو نافذ فرمایا تھا۔ مقدمے کی تفصیل یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری خاتون ام عاصم رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی۔ پھر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام عاصم بن عمر رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ ان خاتون کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور وہ اپنے بچے عاصم کو اپنے ہمراہ لے گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن قباء (جواب مدینہ طیبہ ہی کا ایک حصہ ہے) تشریف لے گئے تو دیکھا ان کا یہ بیٹا عاصم دوسرے بچوں کے ساتھ مسجد کے صحن میں کھیل رہا ہے۔ آپ نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور اپنی سواری پر آگے بٹھا کر چلنے لگے۔ بچے کی نانی نے یہ منظر دیکھا تو فوراً آئیں اور اپنے نواسے کے متعلق کہا کہ عمر تم اسے نہیں لے جا سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار بڑھا تو اس عورت نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔

جب یہ دونوں خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعویٰ پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے

اس خاتون نے بھی یہی بیان دیا۔

فقضى به ابوبكر رضى الله عنه لامه.

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بچے کو اس کی نانی کے حوالے کرنے کا فیصلہ فرمایا۔"

اور پھر اپنے فیصلے کی دلیل میں فرمایا:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا توله والدة عن ولدها.

"میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ماں اور اس کے بچے میں جدائی نہیں کی جائے گی۔"

جو لوگ حدیث کو شرعی اور قانونی فیصلوں کا ماخذ نہیں سمجھتے وہ غور فرمائیں کہ یہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوا ہے اور دلیل صرف حدیث ہے جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں۔

پھر انہوں نے اپنے فیصلے میں مزید فرمایا:

والنفقة على عمر رضى الله عنه و قال هى احق به.

"اس لڑکے عاصم کے بالغ ہونے تک کا تمام خرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے ہے اور نانی اپنے نواسے کو لے جانے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔"

اس کے بعد ارشاد ہوا عاصم کی ماں عاصم کی زیادہ حق دار ہے

جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کریں اور جب عاصم بالغ ہو جائیں تو انہیں اختیار ہے کہ وہ خواہ اپنے باپ کے ساتھ رہیں یا ماں کے ساتھ۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم ملا۔

خل بينها و بينه.

"نواسے اور نانی کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔"

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ یہ تھا کہ یہ فیصلہ سننے کے بعد

فما راجعه عمر الكلام.

"عمر ایک لفظ نہیں بولے اور عاصم اپنی نانی کے ساتھ چلے گئے۔"

بچے کو بلوغت پر اختیار ملتا ہے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے رہے۔ حضرت عاصم کی والدہ نے دوسری شادی کر لی تھی اور جب عاصم بالغ ہوئے تو انہوں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا اور پھر انہی کے پاس آ گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ جو مشہور ہے کہ ایک بچی نے دودھ میں پانی ملانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ امیر المومنین تو نہیں مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ اسی بچی کی شادی انہی عاصم سے کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی بہو بنا لیا تھا اور یہی عاصم حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (مشہور اموی خلیفہ) کے نانا بھی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۱۳ھ میں جب خود امیر المومنین ہوئے

تو انہوں نے جن لوگوں کو قضاء و افتاء کے لئے منتخب فرمایا اور ان پر اعتماد کیا ان میں سے ایک ہستی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی بھی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مدینہ منورہ میں فتویٰ کے لئے جن لوگوں کی بات سند مانی جاتی تھی اور جن کے فتاویٰ پر لوگ غیر معمولی اعتماد کرتے تھے۔ ان میں حضرت سائب بن یزید، حضرت مسور بن مخرمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب اور حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

ان حضرات کی تربیت اور اٹھان میں امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سائب بن یزید اور حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ میں بازاروں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمایا تھا تاکہ اشیاء کے نرخ عوام کی استطاعت سے بڑھنے نہ پائیں اور سودی کاروبار کہیں نہ کیا جائے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مختلف مواقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مختلف کام کرائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر کر لیا تھا اور آپ کی شخصیت پر وہ غیر معمولی اعتماد بھی فرماتے تھے۔ یہ اعتماد اتنا بڑھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی خلافت میں قضاء کے عہدے پر فائز فرمایا۔ ایک مرتبہ ان سے فرمایا:

اکفنی صغار الامور.

"مجھے چھوٹے موٹے کام پیش آتے رہتے ہیں ان میں میرا ہاتھ بٹایا کرو۔"

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں ایک دن مسجد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے پتھر مارا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں ان کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا یہ جو دو آدمی مسجد میں اونچی آواز سے گفتگو کر رہے ہیں' انہیں میرے پاس لے آؤ۔ میں ان دونوں کو بلا لایا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم دونوں کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا طائف کے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔

ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم.

"جناب رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو؟"

صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ مسجد میں آواز بلند کرنے کا نہیں تھا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کرنا قابل جرم ہے۔ یہ روایت ان روایات میں سے ایک ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جناب رسول اللہ ﷺ کا ادب اور احترام کتنا

غالب تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور مسجد میں پیدا ہونے والی ہر آواز کو براہ راست بغیر کسی واسطے کے سنتے ہیں اور جس طرح ان کی حیات طیبہ میں ان کے سامنے آواز بلند کرنا حرام تھا' ان کا یہی ادب اور حق ان کی وفات کے بعد بھی ضروری ہے۔

صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نہیں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ﷺ میں علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے۔

و بالجملة کل احد یعامل بعد موته کما کان یعامل فی حیاته و لهذا یحب الادب مع النبی صلی الله علیه وسلم بعد موته کما کان فی حیاته، و قد روی عن ابی بکر الصدیق رضی الله عنه قال لا ینبغی رفع الصوت علی نبی حیا و لا میتا، و روی عن عائشة رضی الله عنها انها کانت تسمع، صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطیفة بمسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فترسل الیهم لا تؤذوا رسول الله صلی الله علیه وسلم، قالوا و ما عمل علی بن ابی طالب رضی الله عنه مصراعی داره الا بالمناصع توقیا لذلک، هکذا رواه الحسینی فی اخبار

المدینة.

و هذا بما یدل علی انهم کانوا یرون انه حی، و عن عروة قال وقع رجل فی علی عند عمر بن الخطاب فقال له عمر بن الخطاب قبحك الله لقد آذیت رسول الله صلی الله علیه و سلم فی قبره، و من نظر سیرالسلف الصالحین والصحابة والتابعین علم انهم کانوا فی غایة الأدب مع النبی صلی الله علیه وسلم بعد موته کما کانوا فی حیاته و کانوا مع قبره الشریف کذلك.

"اور ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں ایسے ہی تھا جیسے کہ وہ آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے ساتھ تھا۔"

اس لئے جناب رسول اللہ ﷺ کا ادب جس طرح ان کی حیات طیبہ میں تھا' ان کی وفات کے بعد ایسے ہی ادب کرنا واجب ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور اب ان کی وفات کے بعد بھی ان کے سامنے اونچی آواز سے بولے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ مسجد نبوی سے متصل مکانوں

میں کسی کیل ٹھونکنے یا میخ گاڑنے کی آواز سنتی تھیں تو کسی آدمی کو بھیج کر اس کام کو کرنے سے منع کر دیتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ ان آوازوں سے جناب رسول اللہ ﷺ کو (قبر شریف میں) تکلیف نہ دو۔

اور اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے دروازے دور جاکر بنوائے تھے کہ ان کے بننے کا شور جناب رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دے۔ حسینی نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں ان روایات کا ذکر کیا ہے۔

اور یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعتقاد تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جھگڑ رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا اللہ تیرا ناس کرے تو نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ان کی قبر مبارک میں تکلیف دی۔

اور جو شخص بھی صحابہ کرام' تابعین' اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی سیرتوں پر غور کرے گا تو اسے یہی معلوم ہو گا کہ یہ تمام حضرات جناب رسول اللہ ﷺ کا ان کی وفات کے بعد بھی اتنا ہی ادب و احترام کرتے رہے ہیں جتنا کہ وہ ان کی حیات

طیبہ میں ان کا ادب و احترام کرتے تھے۔ اور صرف انہی کا
ادب و احترام نہیں بلکہ ان کی قبر مبارک کا بھی یہی ادب و
احترام کیا گیا ہے۔"

اسی وجہ سے پوری امت کا یہ متفقہ عقیدہ رہا ہے کہ جناب رسول
اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور جو شخص بھی روضۂ مبارک پر
جا کر صلاۃ و سلام یا دعا کی درخواست کرتا ہے' وہ اسے براہ راست سنتے
ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جو عقیدے اور علم کلام میں
اہلسنت والجماعت کے امام اور ڈیڑھ ہزار برس میں اس امت کی چند مایہ
ناز شخصیات میں سے ایک ہیں' جب ان پر ان کے دشمنوں نے یہ الزام
لگایا کہ ان کا عقیدہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ اپنی
قبر مبارک میں رسول نہیں رہے تو حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ
کے حامیوں اور ان کے متبعین نے اس الزام کی پر زور تردید کی اور
حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ اور پوری امت مسلمہ کا یہ
عقیدہ بیان کیا۔

و نقل السبکی فی طبقاته عن ابن فورك انه صلی الله
علیه وسلم حی فی قبره رسولا الی الا بد حقیقة لا
مجازا قال ابن عقیل من الحنابلة هو صلی الله علیه
وسلم حی فی قبره یصلی باذان و اقامة فی اوقات

الصلاة. واعلم ان الامام اباالقاسم عبدالكريم ابن
هوزان القشيري رحمه الله تعالى و هو من اكابر
الاشاعره ذكر ان نسبة الخلاف فى هذه المسئله
الى الشيخ ابى الحسن الاشعرى زور و بهتان.

(الروضة البهية فيما بين الاشاعرة والماتريه ابى عذبة المسئلة الرابعة ص: ۱۴)

"اور علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "طبقات" میں
ابن فورک کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ
اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور ہمیشہ کے لئے رسول
ہیں اور یہ حقیقت کوئی مجازی عقیدہ نہیں ہے۔ حنابلہ میں سے
ابن عقیل نے ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی قبر اطہر
میں زندہ ہیں۔ نماز کے اوقات میں اذان اور اقامت کے
ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ امام
ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمہ اللہ علیہ جو کہ اشاعرہ کے
اکابرین میں سے تھے' انہوں نے فرمایا کہ اس مسئلے (جناب
رسول اللہ ﷺ کے قبر میں زندہ ہونے) میں امام ابوالحسن
اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ جو اس عقیدے کے برعکس نقل
کیا جاتا ہے (کہ وہ حیات نبی علیہ السلام کے قائل نہیں تھے)
وہ ان پر بالکل بہتان ہے اور لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔"

پھر کچھ آگے چل کر لکھا ہے:

الاشعری و اصحابه قائلون بان النبی صلی الله علیه وسلم فی القبر حی یحس و یعلم.

"امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیروکاروں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ ان میں احساس بھی ہے اور انہیں علم بھی ہے۔"

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "شامی" جو اس آخری دور کے تمام مفتیوں کا مرجع ہے' اس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لان الانبیاء علیهم الصلاة و السلام احیاء فی قبورهم.

"اور حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام تو اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔"

اور بلاشبہ امت مسلمہ کا ہمیشہ یہی عقیدہ رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو کنکری پھینک کر اس کام کی طرف متوجہ فرمایا یا ایک روایت میں ہے کہ انہیں نیند سے اٹھا کر دو آدمیوں کی طرف بھیجا جو مسجد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام میں اونچی آواز سے گفتگو کر رہے تھے تو ان روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے کتنا تعلق تھا۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ ۲ ہجری میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے تھے اور ان کے خاندان کے متعدد افراد کو زیارت و صحبت نبوی

علیہ الصلاۃ والسلام کا شرف حاصل تھا۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم کے ہم عصر تھے اور ان سب کا بچپن جناب رسول اللہ ﷺ ہی کی صحبت و زیارت میں گزرا تھا۔ ایک روایت میں یہ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم كان اذا دعا مسح بیدیه وجهه.

(اخبار القضاة ج ۱ ص ۱۰۷ قضاة عمر بن الخطاب رضی الله عنه)

"جناب رسول اللہ ﷺ جب دعا مانگتے تھے تو دعا کے آخر پر اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔"

جناب رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ کے استقبال کے لئے جو عورتیں اور بچے مدینہ طیبہ میں جمع ہوئے تھے' حضرت سائب رضی اللہ عنہ بھی انہی بچوں میں شامل تھے۔ سب لوگ خوشی سے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا — مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا — مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِی

ثنیات کی پہاڑیوں سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ آپ کی بخیریت واپسی پر ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور آپ جیسی ہستی کا ہمیں ملنا اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ جب تک بھی دعا مانگنے والے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ اس نعمت کبریٰ پر اللہ

تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

مدینہ منورہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے پہلی پہاڑیوں اور شام سے مدینہ طیبہ آتے ہوئے آخری پہاڑیوں کا نام "ثنیات" ہے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لئے شام کی طرف تشریف لے گئے تھے تو واپسی پر انہی "ثنیات" کی پہاڑیوں سے گزر کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس شعر میں ثنیات کی پہاڑیوں سے چاند کے طلوع ہونے سے مراد آپ کی تشریف آوری ہے اور آپ ہی کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔

قال البیهقی؛ و هذا یذکره علماؤنا عند مقدمه المدینة من مکة لا انه لما قدم المدینة من ثنیات الوداع عند مقدمه من تبوک والله اعلم. (البداية والنهاية؛ ج ٥؛ ص:٢٣ قصة مسجد الضرار)

"امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے موقع پر تشریف لائے تھے اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے اور جب آپ تبوک سے مدینہ طیبہ ثنیات کی پہاڑیوں سے تشریف لائے ہیں اس موقع پر یہ اشعار نہیں پڑھے گئے۔"

مگر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول پر بہت مضبوط گرفت فرمائی ہے اور "زاد المعاد" میں لکھا ہے۔

و بعض الرواة یهم فی هذا و یقول انما کان ذلك عند مقدمه الی المدینة من مکه و هو وهم ظاهر، لان ثنیات الوداع انما هی من ناحیة الشام، لا یراها القادم من مکه الی المدینة، و لا یمر بها الا اذا توجه الی الشام. (ج ٥، ص ٦٦، فصل فی خروج الناس لتلقیه صلى الله علیه وسلم عند مقدمه المدینة)

"ان اشعار کے بارے میں بعض ان راویوں کو وہم ہو گیا ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ اشعار آپ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے موقع پر پڑھے گئے ہیں اور اس وہم کا باطل ہونا اس دلیل سے ثابت ہے کہ یہ پہاڑیاں تو شام کی طرف سے سفر کرنے سے آتی ہیں۔ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آ رہا ہو تو وہ نہ تو ان پہاڑیوں سے گزرے گا اور نہ ہی اس کو نظر آئیں گی کیونکہ یہ شام کی طرف واقع ہیں۔"

اور ان پہاڑیوں کو صرف وہی شخص عبور کر سکتا ہے جو شام کی طرف سفر کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ گرفت بہت مضبوط ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ خیر مقدمی اشعار پڑھنے والوں میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ اپنے معصوم اور بھولے بچپن کے ساتھ کھڑے تھے۔ کیا خوب اشعار تھے، کیسی شان کی آمد تھی۔ کس رتبے کے لوگ استقبال کے لئے حاضر تھے اور جو اس ساری بزم کا صدر نشیں تھا اس کا تو

کہنا ہی کیا، صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

چمکتی تھی جو کبھی ترے نقش کف پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
جھکتا ہے تکبر تری دہلیز پہ آ کر
ہر شاہ تری راہ میں اک خاک نشیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے انسان کا مقدر
تو خاتم دوراں کا درخشندہ نگیں ہے
آیا ہے تیرا نام مبارک میرے لب پر
گرچہ یہ زبان اس کی سزاوار نہیں ہے

پھر جناب رسول اللہ ﷺ ۱۰ھ میں حج کے لئے جب مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو حضرت سائب اپنے والد حضرت یزید بن ابی سعید رضی اللہ عنہما کے ساتھ اس حج میں بھی حاضر تھے۔

کسی سن کا تعین کرنا تو کار دارد ہے مگر یہ ابھی کمسن ہی تھے کہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ ان کی خالہ انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ درد کی دوا کہاں ہے اور الم کا مداوا کس سے ہوتا ہے۔ عرض کیا:

یا رسول الله ان ابن اختی وجع.

"یارسول اللہ! میرا یہ بھانجا بیمار ہے۔"

تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس بیماری کا جو علاج فرمایا، وہ حضرت

سائب رضی اللہ عنہ کو مرحلہ بہ مرحلہ یاد تھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں فرماتے ہیں۔

فمسح راسی و دعا لی بالبركة ثم توضاء فشربت من وضوته.

(ج : ۷ ؛ ص ۲۰۱ کتاب الدعوات، باب الدعا الصبیان بالبرکة و مسح رووسهم رقم الحدیث ۶۳۵۲).

"جناب رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، پھر مجھے برکت کی دعا دی، پھر آپ نے وضو فرمایا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پیا۔"

طبرانی کی روایت میں اس پر مزید یہ اضافہ ہے کہ:

سائب بن یزید یقول عوذنی رسول الله صلی الله علیه وسلم بفاتحة الکتاب تفلا. (المعجم الاوسط ج : ۷، ص : ۳۹۰، رقم الحدیث؛ ۶۷۵۷، محمد بن ابی زرعه الدمشقی رحمة الله علیه).

"جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے سورۃ فاتحہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیا اور تھتکارا۔"

صحیح بخاری کی روایت میں مزید یہ الفاظ بھی رقوم ہیں۔

ثم قمت خلف ظهره فنظرت الی خاتمه بین کتفیه مثل زر الحجلة.

"پھر میں جناب رسول اللہ ﷺ کی کمر مبارک کے پیچھے جا کر

کھڑا ہو گیا اور میں نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان نبوت کی مہر دیکھی جو کہ مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔''

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو بھی جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ اس حدیث میں لے جانے کی وجہ اگرچہ مرض یا درد تھا لیکن دوسری احادیث سے اس استنباط کی اصل ثابت ہے۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹوں کے سر پر دست شفقت رکھنا ہی چاہئے۔

تیسری بات یہ کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا تو اس سے مراد اگر یہ ہو کہ وہ وضو فرما چکے تھے اور جو پانی بچ گیا تھا وہ میں نے پیا یا برکت یا شفا کی غرض سے وہ پانی پلایا گیا تو یہ سب باتیں درست ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے جس پانی کو چھوا ہو اور جو آپ کے وضو سے بچا ہو وہ تو شفا کے لئے اکسیر تھا اور اس کی برکات سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

اسی جملے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا ہو اور پانی کے پاکیزہ قطرات جو آپ کے جسد اطہر سے جدا ہوئے ہوں، وہ مراد ہوں۔ اس پانی کو ماء مستعمل (استعمال شدہ پانی) کہتے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ماء مستعمل کے پاک ہونے

میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس پانی کی کیا وقعت تھی، اس کا اندازہ اس بیان سے کیا جا سکتا ہے جو حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے واقعہ حدیبیہ کے دوران کفار مکہ کے سامنے دیا تھا، انہوں نے بیان کیا۔

يا قوم انى وفدت الى الملوك كسرى و قيصر والنجاشى و انى والله ما رايت ملكا قط اطوع فيما بين ظهرانيه من محمد فى اصحابه، و الله ان رايت ملك قط يعظمه اصحابه ما يعظم اصحاب محمد محمداً و ليس بملك والله ما تنخم نخامة الا وقعت فى كف رجل منهم فذلك بها وجهه و جلده و اذا امرهم بامرا بتدروا امره و اذا توضا كادو يقتتلون على وضوئه ايهم يظفر منه بشى ولا يسقط شى من شعره الا اخذوه، و اذا تكلم خفصوا اصواتهم عنده، و ما يحدون النظر اليه تعظيما له و لا يتكلم رجل منهم حتى هو يستاذن فان هواذن له تكلم و ان لم ياذن له سكت. (سبل الهدى والرشاد، ج: ٥ ص: ٤٤، الباب الثانى والعشرون فى غزوة الحديبيه. ذكر قدوم بديل بن ورقاء الخزاعى و رسل قريش على رسول الله صلى الله عليه وسلم).

”میرے ہم وطنو! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں مگر اللہ کی قسم میں نے کہیں لوگوں کو کسی بادشاہ کی ایسی اطاعت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسی فرماں برداری محمد (ﷺ) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ان کی کرتے ہیں۔ اور اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی اتنی عزت کرتے ہوئے اس کے ساتھیوں کو نہیں دیکھا جتنی تعظیم ان کی، ان کے دوست کرتے ہیں حالانکہ محمد (ﷺ) بادشاہ بھی نہیں ہیں۔ اللہ کی قسم محمد (ﷺ) بلغم بھی تھوکتے ہیں تو وہ بھی ان کے کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) ہی کے ہاتھ پر گرتا ہے۔ اور وہ کمال محبت سے اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ وہ جب کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو لوگ اس کام کے کرنے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ اور وہ جب وضو کرتے ہیں تو ان کے جسم مبارک سے گرنے والے قطرات اپنے ہاتھوں پر لینے کے لئے ان کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) یوں ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے اس نعمت کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑ پڑیں گے اور اس بات کو فخر سے دیکھتے ہیں کہ کون اس پانی کو حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اور ان کے جسم سے کوئی بال وہ زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ وہ جب گفتگو کرتے ہیں تو ہو کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اور ان کی عظمت کے سبب لوگ انہیں نظر بھر

کر دیکھ نہیں سکتے۔ ان کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) بات کرنے سے پہلے ان سے اجازت لیتے ہیں۔ اگر وہ اجازت دیں تو وہ بات کرتے ہیں اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو یہ خاموش ہو جاتے ہیں۔“

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو نقشہ کھینچا ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ عظمت و رفعت کے کس مقام پر فائز تھے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان پر کس قدر مرمٹتے تھے۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو بھی ان طاہر و مطہر قطرات وضو میں سے کچھ حصہ ملا ہو تو یہ توان کے لیے اور بھی قابل فخر چیز تھی۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

اس مہر نبوت کی آٹھ احادیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل ترمذی میں نقل فرمائی ہیں۔ جن میں سے ایک روایت تو یہی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی پشت پر ایک مہر ایسی تھی جیسے کسی پلنگ یا چارپائی پر پردہ لٹکایا جائے اور اس میں گھنڈیاں بھی ہوں تو ان گھنڈیوں جیسا گوشت کا ٹکڑا تھا۔

شمائل ترمذی ہی میں حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ یہ

مہر جناب رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان تھی اور کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے قریب ہونے کا حکم ارشاد فرمایا اور جب میں ان کے قریب ہوا تو آپ نے مجھے کمر دبانے کا حکم دیا۔ میں آپ کی کمر دبا رہا تھا کہ میری انگلیاں آپ کی مہر نبوت کو جا لگیں۔ ان کے شاگرد حضرت علباء رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ مہر نبوت کیا چیز تھی تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہ ایک گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان انسانی مٹھی کے برابر ایک مہر تھی جس کے چاروں طرف تل تھے جو اتنے بڑے تھے جیسے کہ مسے ہوتے ہیں۔

اور انہی کی روایت صحیح مسلم میں ہے کہ یہ مہر نبوت رسول اللہ ﷺ کے بائیں شانے کی طرف تھی۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان بائیں طرف کے اوپر کے حصے میں سرخ یا گندمی رنگ کا گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا جو کم و بیش ہوتا رہتا تھا۔ اس کی کم سے کم مقدار کی روایت کبوتر کے انڈے کے برابر اور زیادہ سے زیادہ

کی روایت انسانی مٹھی کے برابر کی ہے۔ اس پر مسے بھی تھے اور بال بھی تھے۔ اور اس مجموعے کو نبوت کی مہر کہا جاتا تھا۔ جن محدثین نے یہ روایات نقل کی ہیں کہ اس پر "محمد رسول اللہ" وغیرہ کی طرح کے جملے تحریر تھے، ان تمام روایات میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" میں تحریر فرماتے ہیں۔

فلم يثبت منها شيء. (ج: ٦ ص ٥٦٣، كتاب المناقب، باب خاتم النبوة رقم الحديث: ٣٥٤١)

"تحریر کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔"

حضرت ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ رحمۃ اللہ علیہ نے "جمع الوسائل" میں اور شیخ عبد الرؤف مناوی المتوفی ۱۰۰۳ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شمائل کی شرح میں (جو کہ جمع الوسائل کے حاشیے پر ہی طبع ہوئی ہے) اس حدیث کے ضمن میں علامہ بیہقی اور شیوخ واقدی رحمہم اللہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ شبہ پیش آیا کہ واقعی یہ وفات ہے یا کوئی اور کیفیت تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت پر رکھا تو وہ نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اس علامت سے وفات پر استدلال فرمایا۔

اس روایت سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ معاذ اللہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی ان کی نبوت ختم ہو گئی تھی کیونکہ نبوت کی

مہر ختم ہو گئی تھی- یہ کرامیہ .... ایک گمراہ فرقے .... کا عقیدہ تھا-
اہل سنت والجماعت کا جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق صاف اور واضح
عقیدہ یہ ہے کہ وہ اپنی حیات طیبہ میں بھی اور وفات طیبہ کے بعد آج
بھی رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں- علیہ افضل التحیات و اطیب
التسلیمات - جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں مہکتے گلاب کی
طرح ان کی قبر اطہر میں لٹایا تھا' وہ آج بھی اسی طرح اللہ کے رسول اکرم
اور قلوب عشاق کے مرجع معظم ہیں-

سلام اس پر کہ جس کے ذکر سے آباد ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس کی یاد سے دلشاد ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس نے کھا کے پتھر پھول برسائے
وہ جس نے گالیاں سن کر دعا کو ہاتھ پھیلائے
سلام اس پر مٹایا ظلم کا نام و نشاں جس نے
سلام اس پر کیا ظلمت سے حق کو عیاں جس نے
سلام اس پر کہ جس نے دہر کو دانائیاں بخشیں
سلام اس پر کہ جس نے فکر کو پہنائیاں بخشیں
سلام اس پر مٹائے آ کے جس نے جہل کے سائے
سلام اس پر کہ جس نے علم کے انوار پھیلائے
سلام اس پر کہ خدا سے جس نے تسلیم و رضا مانگی
غریبوں میں اٹھائے جانے کی جس نے دعا مانگی

سلام اس پر دو عالم میں فرامیں جس کے جاری ہیں
سلام اس پر سلاطین جس کی چوکھٹ کے بھکاری ہیں

اس روایت سے پانچویں بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی خالہ
(جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ ان کی والدہ کا نام عَلْبَہ بنت شریح رضی
اللہ عنہا تھا) نے جب انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا
ہے تو آپ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا-

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرح کا ایک اور بھی
واقعہ پیش آیا تھا- وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں چند بچوں کے ہمراہ
کھڑا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو مجھ سے دریافت
فرمایا-

من انت؟ آپ کون ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ میرا نام سائب بن یزید ہے-

فمسح یدہ علی راسی و قال بارك اللہ فیك. (امتاع
الاسماع' ج:۱۱' ص: ۳۵۱' المائۃ من خصائصہ ﷺ)

"تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر
پھیرا اور ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تم میں برکت دے-"

اور طبرانی کی روایت ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا کہ آپ نے سورۃ
فاتحہ پڑھ کر اپنا لعاب مبارک ان پر ڈال دیا-

اس برکت کی دعاء نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کا تو ان پر یہ اثر ہوا

کہ ان کی عمر چورانوے (۹۴) برس ہو گئی مگر اعضاء و قوائے جسمانی برابر قائم تھے۔ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد جعد بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے خود ہی فرمایا۔

قد علمت ما متعت سمعی و بصری الا بدعا رسول الله صلی الله علیه وسلم.

”تمہیں معلوم ہے کہ اس بڑھاپے کے باوجود میری سماعت اور بصارت جو ٹھیک کام کر رہی ہیں یہ سب جناب رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا نتیجہ ہے جو انہوں نے میرے لئے مانگی تھی۔“

بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں میں درد تھا اور اسی سے نجات کے لئے ان کی خالہ انہیں اس جگہ پیش کرنے لائی تھیں۔جب جناب رسول اللہ ﷺ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم فرمادیا اور اپنا لعاب مبارک بھی ان پر ڈال دیا تو پھر وہ درد کہاں ٹھہرتا۔؟

اور وہ جوان کے سر پر جناب رسول اللہ ﷺ نے دست شفقت پھیرا تھا اس کا اثر بھی تو ہونا چاہئے تھا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کان راس السائب اسود من هذا المکان و وصف بیده انه کان اسود الهامة ای مقدم راسه و کان سائر موخرة لحیته و عارضاه ابیض.

”حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے سر کے بال اس مقام پر سیاہ تھے اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے سر کے اگلے حصے یعنی پیشانی کے قریب رکھا اور پھر کہا کہ ان کا باقی سر اور داڑھی سب سفید تھی۔“

یہ منظر دیکھ کر میں نے ان سے عرض کیا:

ما رایت احدا اعجب شعرا منك.

”میں نے آپ سے زیادہ عجیب بال کسی کے نہیں دیکھے۔“

یعنی سر کے ابتدائی بال سیاہ اور باقی حصے کی سفیدی ایسے کیوں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔

فهو لا یشیب ابداً.

”میرے سر کے جس حصے پر جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تھا' اس ہاتھ کے نیچے جو بال آگئے تھے وہ ہمیشہ سیاہ ہی رہے ہیں۔“

یہ اس ہاتھ کی کوئی پہلی برکت تو نہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس جسم اقدس کی برکات ہمیشہ دیکھتے ہی رہتے تھے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جن کے والد حضرت حذیم اور دادا حضرت حنیفہ رضی اللہ عنہم سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے' جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھا اور فرمایا۔

بارك الله فيك.   اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔

پھر اس ہاتھ پھیرنے اور برکت کی دعا کا حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ پر یہ اثر ہوا کہ لوگ اپنی بکریاں جن کے تھنوں پر ورم آجاتا' اپنے مریض جن کے جسم یا چہرے کسی بیماری کی وجہ سے سوج جاتے' ان کے پاس لے آتے تھے۔ یہ اپنے ہاتھ پر اپنا تھوک ڈالتے اور ان الفاظ سے دم کرتے۔

بسم الله على اثر يد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (امتاع الاسماع' ج: ۱۱ ص: ۳۵۵' و اماتيين بركة يد حنظلة بن حذيم رضى الله عنه)

"اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ جو میرے سر پر رکھا تھا' اس اثر کی برکت سے۔"

اور پھر اس انسان یا جانور پر یہ جملہ پڑھ کر پھونک دیتے' اپنا تھوک مل دیتے اور وہ ورم زائل ہو جاتا اور مریض شفایاب ہو جاتے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے صد ہزار ادب و احترام اور ان کی خاک پا سر کا تاج ہونے کے باوجود یہ ان کے تھوک اور ان کے دم کا اثر نہ تھا۔ یہ تو جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ہی کی برکات تھیں' جو یوں ظاہر ہو رہی تھیں۔ فیض کا منبع اور تھا اور مظہر ظاہری یہ تھے۔ اس آئینے میں کسی اور رخ انور کی تجلی کارفرما تھی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی برکات صرف ان کی زندگی تک ہی

محدود نہ تھیں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کہ "جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے" اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے اس عالم ناسوت سے پردہ فرما جانے کے باوجود آپ کی برکات کے نہ صرف قائل تھے بلکہ متمتع بھی ہوتے تھے۔

صحت عقیدہ سختی کے ساتھ پیش نظر رہے تو سمجھنے والوں کے لئے اس واقعہ میں بہت کچھ سامان ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے محبوب و مقرب رسول اکرم ﷺ کی صورت میں امت مسلمہ پر نوازشات فرماتا ہے۔ ان کے مسائل کے حل کا سامان کرتا ہے اور کن کن طریقوں سے اس کی رحمت عیاں ہوتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصفہان میں حضرت ابوبکر بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا اکابر علماء و صوفیاء میں شمار ہوتا تھا اور اس علاقے میں "فتویٰ" انہی کا چلتا تھا۔ حاکم وقت نے کسی وجہ سے انہیں جیل میں ڈال دیا اور حضرت ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے جناب رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور یہ دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے دائیں طرف کھڑے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس تسلسل سے پڑھ رہے ہیں کہ ان کے ہونٹ ساکت نہیں ہوتے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابوبکر بن علی کے پاس جاؤ اور انہیں کہنا کہ صحیح بخاری میں میری ایک حدیث ہے جس میں غم اور دکھ سے نجات کی دعا مذکور ہے۔ اس دعا کو مسلسل پڑھتے

رہیں یہاں تک کہ اس قید سے رہائی مل جائے۔

میں صبح اٹھا اور جیل میں جا کر حضرت ابو بکر بن علی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خواب سنایا انہوں نے وہ دعا پڑھنی شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ کچھ ہی عرصہ بعد جیل سے رہا ہو گئے۔ (ج: ۱۱، ص: ۱۴۷، کتاب الدعوات، باب الدعا عند الکرب، رقم الحدیث ۶۳۴۵)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے خواب میں صحیح بخاری کی جس حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا تھا وہ جس باب میں وارد ہوئی ہے، وہ باب ہی یہاں نقل کیا جا رہا ہے تا کہ کوئی شخص کسی دکھ اور غم سے نجات حاصل کرنا چاہے تو ان دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت و کشائش کو کھینچ لے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الدعوات'' میں ستائیسویں باب پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

الدعا عند الکرب. ''دکھ کی دعا''

اور پھر اس کے تحت دو احادیث تحریر فرمائی ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ دکھ اور غم کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگتے تھے۔

لا اله الا الله العظیم الحلیم. لا اله الا الله رب السماوات والارض و رب العرش العظیم.

''اس اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں جو بہت عظمت والا اور بردبار ہے۔ اس اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور جو عرش جیسی عظیم چیز کا پروردگار ہے۔''

دوسری حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ دکھ اور غم کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کیا کرتے تھے۔

لا اله الا الله العظیم الحلیم. لا اله الا الله رب العرش العظیم لا اله الا الله رب السماوات و رب الارض و رب العرش الکریم.

''اس اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں جو بہت عظمت والا اور بردبار ہے۔ اس اللہ کے علاوہ کوئی اللہ نہیں جو کہ عرش جیسی عظیم چیز کا پروردگار ہے۔ اس اللہ کے علاوہ معبود نہیں جو آسمانوں کا پروردگار ہے اور جو زمین کا پروردگار ہے اور جو عرش جیسے معزز مقام کا پروردگار ہے۔''

دونوں روایات کے الفاظ میں معمولی فرق ہے مگر جناب رسول اللہ ﷺ نے خواب میں انہیں جس دعا کی تلقین فرمائی تھی وہ دعا یقیناً ان دو میں سے ایک ہے۔ اگر کوئی شخص پڑھنا چاہے تو مناسب یہی ہے کہ ان دونوں دعاؤں کو مسلسل پڑھتا رہے۔

سلام اس پر کہ جس کو احمد مختار کہتے ہیں
جسے اہل نظر اللہ کا شاہکار کہتے ہیں
سلام اس پر کہ جس کے ان گنت دنیا پہ احسان ہیں
دو عالم جس کے اسم پاک کی حرمت پہ قربان ہیں
سلام اس پر ملی ہے جس سے ڈھارس غم کے ماروں کو
سلام اس پر سکوں بخشا ہے جس نے دل فگاروں کو
سلام اس پر جو ہے سارے جہانوں کے لئے رحمت
زمینوں کے لئے اور آسمانوں کے لئے رحمت
سلام اس پر کہ جو آلام ہستی کا مداوا ہے
سلام اس پر جو مجبوروں کا ملجا اور ماویٰ ہے

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) اخبارالقضاۃ' ج : ۱ ص ۱۰۰' و قد قضی معاذ بن جبل فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم.

(۲) کلیات اقبال' بال جبریل' مسجد قرطبه' ص : ۳۸۹.

(۳) مجمع الزوائد' ج : ۹' ص : ۸۲' کتاب المناقب' ۳۷-۲-۲۰' باب وفاة عمر رضی الله عنه رقم الحدیث:۱۴۴۹۹.

(۴) السنن الکبریٰ للبیهقی' ج : ۱۲ ' ص : ۴۴۱' کتاب الحدود' باب ماجاء فی نفی البکر" رقم الحدیث : ۱۷۴۴۷.

(۵) السنن الکبریٰ' ج ۱۱ ، ص ۵۰۳ ' کتاب النفقات' باب الام تتزوج فیسقط حقها من حضانة الولدوینتقل الی جدته' رقم الحدیث : ۱۶۱۹۲تا۱۶۱۹۵.

(۶) الطبقات الکبریٰ لابن سعد' ج : ۲' ص ۳۸۳ ' ذکر من کان یفتی بالمدینة.

(۷) صحیح بخاری' ج : ۱' ص ٦۷' کتاب الصلاة' باب رفع الصوت فی المسجد.

(۸) شفاء السقام ' الباب التاسع' الفصل الرابع' ص : ۲۰٦.

(۹) الروضة البهیة فیما بین الاشاعرة والماتریدیة' لعلامة الحسن بن عبدالمحسن المشهور بابی عذبة' ص : ۱۴' المسئلة الرابعة نبینا صلی الله علیه وسلم حی فی قبره حقیقة.

(۱۰) ردالمحتار علی الدرالمختار' ج:۳ ص ۲۳۷' کتاب الجهاد' باب المغنم و قسمته. مطلب فی ان رسالة صلی الله علیه وسلم باقیة بعد موته.

(۱۱) اسد الغابة ' ج ۲ ص ۲۵۷ ' حرف السین' باب السین مع الالف.

(۱۰) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

حضرت سلمہ بن عمرو بن الاکوع رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہیں متعدد مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے بیعت کا موقع ملا- ان کی تیسری بیعت ''بیعت رضوان'' تھی اور یہ فرماتے تھے-

بایعت النبی صلی الله علیه وسلم یومئذ علی الموت.

میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر حدیبیہ کے دن (یہ غلط افواہ اڑ جانے پر کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں' ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے) مر جانے پر بیعت کی تھی-

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب اپنے دور خلافت کے اختتام پر شہید ہو گئے تو یہ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ مدینہ طیبہ سے ''ربذۃ'' منتقل ہو گئے 'اور زندگی اسی گوشہ نشینی میں گزاری-

غزوۂ خیبر میں یہ بھی شریک تھے - امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے سے روایت کی ہے کہ ان کے استاد یزید بن ابی عبید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر ایک چوٹ کا نشان دیکھا تو ان سے اس نشان کی حقیقت

دریافت کی انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ چوٹ مجھے غزوۂ خیبر میں لگی تھی - لوگوں نے اس چوٹ کا تذکرہ کیا اور مجھے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے -

فنفث فیه ثلاث نفثات فما اشتکیت حتی الساعة.

''میرے زخم پر تین مرتبہ معمولی سے تھوک کے ساتھ تھتکار دیا اور پھر اس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی-''

وہ لعاب مبارک اکسیر اور آب حیات کا حکم رکھتا تھا اور پھر جس دہن مبارک سے نکلا تھا وہ ہستی بھی تو سارے عالم کا درد اپنے قلب اطہر میں محسوس فرماتی تھی-

درود اس پر تبسم جس کا گل کے مسکرانے میں
درود اس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) صحیح بخاری ص - ۳۴۵ ' رقم الحدیث : ۴۲۰۶ - کتاب المغازی.

(۲) فتح الباری : ج : ۷' ص ۵۷۵' کتاب المغازی- باب غزوة خیبر- رقم الحدیث : ۴۲۰۶ .

(۳) تھذیب الکمال- ج : ۷' ص : ۴۴۹ - باب السین- من اسمه سلمة.

(۴) عیون الاثر - ج : ۲' ص : ۱۹۵ - غزوة خیبر- ذکر القسمة.

(۱۱) حضرت شرحبیل بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ

حضرت شرحبیل[۱] بن عبدالرحمٰن الجعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے - گھوڑا اور تلوار گویا روزمرہ استعمال کی اشیاء میں سے تھا - اور اب ہتھیلی میں ایسی تکلیف شروع ہو گئی تھی کہ گھوڑے کی باگ تھامنا اور تلوار چلانا بہت دقت طلب کام تھا - جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا -

هذا سلعة قدا ذتنی تحول بینی و بین قائم السیف ان اقبض علیه.

''یہ میری ہتھیلی میں شگاف پڑ گیا ہے اور اس کی وجہ سے تلوار کا قبضہ (مٹھی) پکڑنے میں بہت دقت ہوتی ہے -''

پھر دوسری بات عرض کی -

وعنان الدابة.

''اور جانور کی لگام پکڑنے میں بھی یہی دقت ہے -''

ارشاد فرمایا:

---

[۱] یہ نام دراصل شرحبیل ہے جیسے کہ یہاں تحریر کیا گیا ہے - لوگ اسے غلطی سے ''شرجیل'' پڑھتے ہیں جب کہ ''شرجیل'' نام کا عربی لغت میں کوئی وجود نہیں پایا جاتا -

((ادن منی))

''میرے قریب ہو جاؤ -''

پھر یہ قریب ہوئے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کھولنے کا حکم دیا ان کی ہتھیلی جہاں سے پھٹ گئی تھی اسے ملاحظہ فرمایا اور ہاتھ بند کرنے کا حکم دیا - انہوں نے مٹھی بند کی اور پھر حکم ہوا کہ دوبارہ مٹھی کھولو - اور مزید قریب ہو جاؤ - جب یہ بالکل قریب ہو گئے تو

فنفث کفی. جناب رسول اللہ ﷺ نے میری ہتھیلی پر تھتکارا - اور

و وضع کفه علی السلعة فمازال یصلحها بکفه حتی رفع عنها.

پھر اپنا دست مبارک میری ہتھیلی پر رکھ کر اس سے میری ہتھیلی کو مسلسل مسلتے رہے یہاں تک کہ میری ہتھیلی کا شگاف بھر گیا -

اور جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب اور دست مبارک کو مسلنے کی اتنی برکت تھی کہ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ فرماتے تھے -

و ما ادری این اثرها.

وہ شگاف ایسا ٹھیک ہوا کہ آپ نے ہاتھ اٹھایا تو مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شگاف ہتھیلی کے کس حصے پر تھا -

دونوں برکتیں جمع ہو گئیں - جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب

مبارک کی برکت اور پھر آپ کے دست اقدس کی برکات زخم کیسے نہ ٹھیک ہوتا اور شگاف کیسے نہ بھرتا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس کی برکات کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ غزوۂ احد ۳ھ میں پیش آیا اور اس دن بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو عمر میں چھوٹے تھے۔ شوق شہادت میں میدان احد میں آئے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت براء بن عازب، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابوسعید خدری، حضرت زید بن حارثہ انصاری، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سعد بن حبتہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان تمام بچوں کو پندرہ سال سے کم عمر ہونے کی وجہ سے واپس فرمادیا اور یہ سب غزوۂ احد میں شریک نہ ہو سکے۔ پھر اس کے بعد ۵ھ میں غزوۂ خندق کے موقع پر ان حضرات نے جہاد میں باقاعدہ حصہ لیا۔ اور حضرت سعد بن حبتہ رضی اللہ عنہ اسی غزوۂ خندق میں ایک مقام پر کھڑے تھے اور جہاد پورے عروج پر تھا دونوں طرف سے شدید تیر اندازی ہو رہی تھی اور یہ بھی پوری جرات و شجاعت سے لڑرہے تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی نظر ان پر پڑی اور ان کے شوق جہاد اور اس کم عمری کو دیکھ کر دریافت فرمایا۔

من انت یا فتی. جوان تم کون ہو؟

انہوں نے اپنا نام ''سعد'' عرض کیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا دی۔

اسعد الله جدك اقترب منی.

اللہ تعالیٰ تمہاری شان میں سعادت دے میرے قریب آجاؤ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ قریب ہوئے تو آپ نے اپنا دست مبارک شفقت سے ان کے سر پر پھیرا اور یہ پھر جاکر جہاد میں مصروف ہوگئے۔

اس دست شفقت کی برکات دیکھئے یہ سر پر ہاتھ پھیرنا ۵ھ میں ہوا ہے۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ انتقال فرماگئے۔ حضرت سعد بن حبتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں اولاد ہوئی اور ان کے بیٹے کا نام ''حبیب'' تھا رحمۃ اللہ علیہ۔ پھر حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بیٹا ہوا اور اس کا نام ''ابراہیم'' رحمۃ اللہ علیہ تھا۔

پھر ''ابراہیم'' رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۹۳ھ میں ایک بیٹا ہوا جو کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا پڑپوتا تھا اور اس کا نام یعقوب رکھا گیا۔ تو سلسلۂ نسب اس طرح بنا یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد رضی اللہ عنہم تو یہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوتھی پشت میں ان کے پڑپوتے یہی یعقوب فقہ حنفی کے جلیل القدر امام، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جن کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہی کے پردادا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر غزوۂ خندق میں ۵ھ میں اپنا دست مبارک رکھا تھا اور اس واقعے کے ایک سو ستتر یعنی تقریباً پونے دو سو برس کے بعد امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اجد برکة هذه المسحة فینا.

ہم اب تک جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ہاتھ پھیرنے کی برکات اپنے وجود میں محسوس کرتے ہیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکات پونے دو سو سال گذرنے کے باوجود قائم و دائم رہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہیں محسوس فرماتے تھے۔ اس ذات اقدس میں اللہ تعالیٰ نے سعادت و برکت کو جمع فرما دیا تھا۔ انہوں نے جہاں اپنا دست مبارک پھیرا اور مسح فرمایا اس کے نتائج کیا نکلے متعدد احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے مگر آج تک وہ روایات کسی نے بھی ایک مقام پر جمع نہیں کیں۔ اس رسالے کا موضوع چونکہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کے "لعاب مبارک" کی برکات کا بیان برائے از دیاد محبت ہے، اس لیے مسح کی روایات کا ذکر نہیں ہے۔

زیر بیان واقعہ میں تو آپ نے بار بار اپنا پاکیزہ و مبارک ہاتھ حضرت شرحبیل بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی پر گھمایا تھا اس کی برکات سے وہ شگاف کیسے پر نہ ہوتا۔

احمد مرسل فخر دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر اول، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
جسم مزکی، روح مصور، قلب مجلی نور مقطر
حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

انسانیت کا درد اور آدمیت کا بھرم رکھنے والی ہستی ان سے زیادہ

کون تھی؟ بلاشبہ انہوں نے انسانیت کے ظاہری زخموں اور باطنی مرضوں کا کامل علاج فرمایا۔

سلام اس پر جو امت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرش خاک پر جاڑے میں سوتا تھا
سلام اس پر کہ جس کی سادگی درس بصیرت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت ہے

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة - ج : ۲، ص : ۱۴۴، رقم : ۳۸۷۲ - حرف الشین.

(۲) التاریخ الکبیر للبخاری رحمه الله- ج : ٤، ص : ۲۵۰، رقم : ۲٦۹٤، باب شرحبیل.

(۳) اسد الغابة- ج : ۲، ص : ۳۹۰، باب الشین و الراء.

(٤) دلائل النبوة ج : ٦، ص : ۱۷٦- باب ماجاء فی نفثه فی کف شرحبیل الجعفی.

(۵) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب علی هامش الاصابة- ج : ۲، ص : ۵۱- سعد بن حبتة.

(٦) حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی- ص: ٦ نسب ابی یوسف رحمة الله علیه.

(۱۲) حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

جناب رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی جدوجہد میں گذری مدینہ طیبہ میں کم دن ایسے ملے جب آپ جہاد اور تبلیغ کی مصروفیت سے فرصت پاتے اور آرام فرماتے۔ ۵ھ میں آپ کو اطلاع ملی کہ خالد بن سفیان بن نبیح نے وادی عرفہ میں لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا ہے تاکہ مدینہ طیبہ پر حملہ کیا جاسکے۔ اس حملے کی منصوبہ بندی تمام تر خالد بن سفیان نے کی تھی اور سارا طوفان وہی اٹھا رہا تھا اس لیے یہ ضروری تھا کہ اس کو ٹھکانے لگایا جائے تاکہ یہ فتنہ پھیلنے نہ پائے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اس مرتبہ صرف ایک ہی فرد کا انتخاب فرمایا اور وہ فرد فرید حضرت عبداللہ بن انیس الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے نام سے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ملتا ہے ان میں محدثین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ عبداللہ بن انیس الانصاری اور عبداللہ بن انیس الجھنی نام سے دو شخصیات ہیں یا یہ کہ شخصیت تو ایک ہی ہے مگر کبھی انہیں قبیلہ جھینہ کا ایک فرد تسلیم کر کے جھنی لکھا گیا ہے اور کبھی انصار مدینہ رضی اللہ عنہم میں شمار کر کے انصاری لکھا گیا ہے۔ جھنی اور انصاری دونوں نسبتیں فرد واحد کی بھی تو

ہو سکتی ہیں کیونکہ قبیلہ جھینہ کے افراد مدینہ طیبہ میں رہتے تھے اور وہ انصار مدینہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی تھے۔ اس لیے بعض محدثین کا خیال ہے کہ یہ ایک ہی فرد کی دو نسبتیں ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ الگ الگ دو شخصیات ہیں۔ حضرت علی بن مدینی جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کے اساتذۂ کرام میں سے ہیں اور قدیم مورخ خلیفہ بن خیاط وغیرہ کا خیال دو شخصیات کا ہے اور امام بغوی، ابن السکن اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم ایک ہی شخصیت کے قائل ہیں اور یہی قول راجح ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس الجھنی الانصاری رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جائیں اور خالد بن سفیان کو قتل کر دیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کی کوئی نشانی بتادیں تاکہ اسے پہچان سکوں تو آپ نے ارشاد فرمایا تم وادی عرنہ میں جاؤ اور تمہیں دیکھ کر اس شخص پر لرزہ طاری ہو جائے گا بس وہی خالد بن سفیان ہوگا۔

جب یہ وادی عرنہ میں پہنچے تو نماز عصر کا وقت تھا انہیں دیکھ کر ایک آدمی پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا میں ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ سنا ہے کہ تم اس شخص (جناب رسول اللہ ﷺ) کے خلاف جنگ کے لیے کچھ لوگوں کو تیار کر رہے ہو۔ اس نے کہا ہاں میرا ارادہ یہی ہے۔ پھر یہ خاموش ہو گئے اور کچھ دیر بعد جب وہ تنہا ہوا اور انہیں موقع ملا تو یہ

اسے قتل کر کے مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ یوں ایک فتنہ برپا ہونے سے رک گیا۔

جب یہ مدینہ طیبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا

افلح الوجه.

یہ چہرہ کامیاب رہے۔

انہوں نے اپنی کارکردگی بیان کی تو جناب رسول اللہ ﷺ ان کو ساتھ لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور اندر سے اپنا عصا مبارک لا کر انہیں دیا اور فرمایا

امسك هذه عندك يا عبدالله بن انيس.

عبداللہ میرے اس عصا کو اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں غالباً یہ واحد صحابی رضی اللہ عنہ تھے، جن پر جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ عنایت فرمائی تھی کہ اپنا عصائے مبارک انہیں عطا فرمایا تھا۔ چونکہ یہ نوازش بالکل خلاف معمول تھی اس لیے جب یہ عصا لے کر اپنے دوستوں کے پاس آئے اور انہیں سب کچھ بتایا تو انہوں نے کہا کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ تم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر دریافت کر لو کہ اس عنایت کی اصل غرض کیا ہے؟ چنانچہ یہ لوٹے اور عرض کیا

يا رسول الله لم اعطيتني هذه العصا؟.

اللہ کے رسول آپ نے مجھے یہ عصا کس مقصد کے لیے عنایت فرمایا ہے؟

تو وہ جو سراپا رحمت و محبت تھے ارشاد فرمایا:

اية بيني و بينك يوم القيمة.

اسے رکھو قیامت میں، میں تمہیں اس کے ذریعے پہچان لوں گا۔ یہ تو میرے اور تمہارے درمیان محبت کی نشانی ہے۔

ان کے خدام میں جو دین کا کام کرتے تھے، کیسی شفقتیں ہیں ان کے حال پر اور ان سے اظہار محبت کا کیسا سادہ پر وقار، نافع اور بے تکلفی کا برتاؤ ہے اور چاہنے والوں کو بھی کیسی ان کی چاہت ہے۔ بدر و احد کی مٹی اور فضا گواہ ہے کہ محبوب پر جان کیسے فدا کی جاتی ہے۔

آپ ہیں سب پیاروں سے پیارے ﷺ
صدقے ہوں ماں باپ ہمارے ﷺ
آپ عرب والوں کے نبی ہیں آپ عجم والوں کے پیمبر
آپ ہیں دنیا بھر کے سہارے ﷺ
یہ رشتہ ہر رشتے سے بہتر، یہ ناتا ہر ناتے سے اچھا
ہم ہیں ان کے وہ ہیں ہمارے ﷺ

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے ایسی ہی شدید محبت تھی۔ یہ بیعت عقبہ میں بھی شامل تھے اور احد سے لے کر باقی تمام غزوات میں بھی شریک تھے۔

خلافت راشدہ میں انہیں مصر میں خلافت کی ملازمت دی گئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے "قصاص" کے بارے میں ایک حدیث نہیں سن رکھی تھی اور وہ صرف انہی کے علم میں تھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ سے صرف ایک وہ حدیث سننے کے لیے انہی کی خدمت میں مصر حاضری دی تھی۔

شوال ۶ھ میں جناب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہودیوں نے اپنے سردار ابو رافع سلام بن ابوالحقیق کے قتل کے بعد اسیر بن زارم یہودی کو اپنا سردار مقرر کیا ہے اور وہ قبیلہ غطفان اور بعض دیگر قبائل کو جنگ پر اکسا رہا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس خبر کو مزید یقینی بنانے کے لیے رمضان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مزید دو اشخاص کو روانہ کیا تاکہ وہ صورت حال کا صحیح جائزہ لے کر لوٹیں۔

ان حضرات نے واپس آ کر ان اطلاعات کی تصدیق کر دی جو پہلے مدینہ طیبہ پہنچی تھیں۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک اور محاذ کھولنے کی بجائے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ تیس افراد پر مشتمل ایک جماعت تیار فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور انہیں اسیر بن زارم کی طرف روانہ فرمایا کہ یہ جا کر اس سے مذاکرات کریں اور جنگ کی بجائے گفتگو سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثنا اليك ان تخرج اليه فيستعملك على خيبر و يحسن اليك.

جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ آپ مدینہ منورہ آئیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو خیبر کا حاکم بنا دیں گے اور آپ کے ساتھ مزید حسن سلوک بھی کریں گے۔

اس نے اپنی قوم کے یہودی عمائدین سے مشورہ کیا تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس کے مدینہ منورہ جانے کی مخالفت کی بلکہ یہاں تک کہا کہ ۔

ما كان محمد يستعمل رجلا من بنى اسرائيل.

محمد ﷺ کسی یہودی کو کبھی بھی حکمرانی نہیں دیں گے۔

لیکن اس نے اپنی قوم کے ہی تیس افراد کے ساتھ مدینہ حاضری کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح مدینہ منورہ جانے والوں کی تعداد ساٹھ ہو گئی۔ اپنے تحفظ کی خاطر ان یہودیوں نے ہر سواری پر ایک مسلمان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور مدینہ طیبہ کا سفر شروع ہوا۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بھی ان تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل تھے جنہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے مذاکرات کے لیے بھیجا تھا اور اب جب کہ یہ واپس جا رہے تھے تو انہیں اس اونٹ

پر جگہ ملی جس کی نکیل خود اسیر بن زارم کے ہاتھ میں تھی۔ دوران سفر اس یہودی سردار کی نیت بدل گئی اور یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ان تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راستے ہی میں شہید کر دیا جائے۔ اور اس منصوبے کے تحت اس نے اپنا ہاتھ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار چھیننے کے لیے بڑھایا مگر انہوں نے اس بات سے درگذر فرما دیا۔ اس نے دوبارہ ایسی حرکت کی انہوں نے دوبارہ اس سے درگذر فرمایا اور جب تیسری مرتبہ اس نے تلوار پر ہاتھ ڈالا تو انہوں نے فرمایا۔

غدرًا ای عدو اللہ. اللہ کے دشمن دھوکے کی چال چلتے ہو۔

اور یہ فرما کر سواری سے اتر گئے۔ پھر یہودیوں نے بھی سواریاں چھوڑ دیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مقابلے پر آ گئے یہاں تک کہ تیس یہودیوں میں سے صرف ایک ہی بچا جو بھاگ کھڑا ہوا اور اپنی قوم کو جا کر اطلاع دی کہ جس قوم کے افراد زندہ دل اور بیدار مغز ہوں انہیں دھوکہ دینے کا انجام یہی ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اسیر پر تلوار کا ایک کاری وار کیا اور اس کی ایڑھی کٹ گئی اور گھٹنے نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور یہ اپنی سواری سے گر پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا جس کا سر خمیدہ تھا اس نے وہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے سر پر اس زور سے مارا کہ نہایت گہرا اور کاری زخم لگا۔ ان کے سر کی کھال پھٹ گئی اور وہ

عصا سر کی ہڈی تک جا پہنچا۔ اسیر بن زارم اس کے بعد مارا گیا۔ اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ شدید زخمی حالت میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ طیبہ پہنچے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے تمام ماجرا سنا اور فرمایا۔

نجا کم اللہ من القوم الظلمین.

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ظالم قوم سے نجات دی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ قریب ہوئے اور ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے اپنا زخم جناب رسول اللہ ﷺ کو دکھایا اور

فنفث فی شجی فلم تقح بعد ذلک الیوم و لم تو ذنی.

جناب رسول اللہ ﷺ نے بس میرے زخم کو تھتکار دیا اور اس کے بعد سے آج تک مجھے اس زخم کے مقام پر تکلیف نہیں ہوئی۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ہی انہیں بھیجا تھا اور اب جو تکلیف انہیں اٹھانا پڑی اور اللہ کی راہ میں یہ جو کاری زخم لگا اس کا دکھ بھی رسول اللہ ﷺ ہی کو تھا۔ وہ کیسے اس دکھ کا مداوا نہ کرتے۔

عاصی خاطی بیوہ بے کس طفل یتیم و مسکین بے بس
زخم جگر پر سب کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم
فرش زمیں سے عرش بریں تک عرش بریں سے فرش زمیں تک
عشق و محبت کتنے محکم صلی اللہ علیہ و سلم

دھکے کھا کر، در در سن کر اب تو آؤ ان کے در پر
آپ ہیں شافع، عاصی ہیں ہم صلی اللہ علیہ وسلم

پھر صرف تھتکارنے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا:

و مسح علی وجھی و دعالی۔

اپنا دست مبارک میرے چہرے پر پھیرا اور میرے لیے دعا فرمائی۔

اس یہودی کے عصا کا زخم بہت گہرا تھا اس لیے دوا اور دعا اور چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بعد بھی اس سراپائے محبت ورحمت کے لیے تشنگی باقی تھی۔ اپنا عصا مبارک اٹھایا اور اسے توڑ کر ایک حصہ انہیں دیتے ہوئے فرمایا

امسك هذا معك- علامة بيني و بينك يوم القيمة
اعرفك بها فانك تاتی يوم القيمة متحصرا

یہ اپنے پاس رکھنا۔ قیامت کے دن میرے اور تمہارے درمیان یہ محبت کی نشانی ہے میں اس دن تمہیں اس عصا سے پہچان لوں گا۔ اور تم قیامت کے دن اپنے ہاتھ میں یہی عصا لے کر آؤ گے۔

محبت کا نباہ اور شفقت کا عالم صرف اس دنیا ہی میں نہیں آخرت پر بھی محیط ہے۔ ایسے کریم آقا پر قربان ہونے والے جتنا بھی قربان ہوتے کم تھا۔ یہ عصا وہ مسجد، وہ منبر وہ شہر اس کا ایک ایک حصہ اس ہستی

کی یاد کا شاہد عادل ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔

(۱) بطيبة رسم للرسول و معهد   منير و قد تعفو الرسوم و تهمد

جناب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں نشانات ہیں اور مکانات ہیں۔ یہ سب بہت روشن ہیں اور نشانات تو مٹتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں۔

(۲) ولا تنمعی الایات من دار حرمة   بها منبر الهادی الذی کان یصعد

مگر اس محترم وپاکیزہ شہر سے کچھ آثار نہیں مٹے جن میں میرے ہادی ﷺ کا وہ منبر بھی ہے جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے۔

(۳) و واضح ایات و باقی معالم   و ربع له فیه مصلی و مسجد

ان باقی آثار میں ان کا گھر بھی تو شامل ہے اور ان کے نماز پڑھنے کی جگہ اور ان کی مسجد۔

(۴) بها حجرات کان ینزل وسطها   من الله نور یستضاء و یوقد

آپ کے حجرے بھی ابھی باقی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نور اور وحی نازل ہوتی تھی اور وہ نور چمکتا بھی تھا اور اس سے ہدایت بھی حاصل کی جاتی تھی۔

(۵) معالم لم تطمس علی العهدو ایها   اتاها البلی فالأی منها تجدد

یہ ایسے نشانات ہیں کہ جو وقت کے ساتھ ساتھ مٹے نہیں بلکہ جب ان پر بوسیدگی آئی تو یہ مزید نمایاں ہوگے۔

(٦) عرفت بها رسم الرسول وعهده وقبرا به و اره فی التراب ملحد

مجھے اس شہر میں وہ سب نشانات معلوم ہیں جو ہمارے رسول اللہ ﷺ کے دور کے ہیں اور مجھے وہ قبر بھی معلوم ہے جس کی مٹی نے آپ کو میری نگاہوں سے چھپالیا ہے۔

(٧) ظللت بها ابکی الرسول فاسعدت عیون و مثلاها من الجفن تسعد

میں دو پہر ان نشانات پہ کھڑا ہو کر اپنے رسول اللہ ﷺ کو روتا رہا اور میری آنکھیں اس رونے میں میری مدد کرتی رہیں۔ اور یہ رونا اتنا زیادہ ہو کہ میرے آنسو برتنوں کو بھر دیں تو یہ میری خوش نصیبی ہے۔

علماء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنا عصا عطا فرمایا ہے یا دو مرتبہ بعض حضرات اسے ایک ہی واقعہ اور روایات میں رواۃ کا وہم قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات نے انہیں دو الگ الگ مستقل واقعات میں شمار کیا ہے۔

فیحتمل ان هذا وهم من بعض الرواة و یحتمل تعداد الواقعه ای اعطاه صلی الله علیه وسلم عصاه اولا فی تلك و اعطاه اخری ثانیا فی هذه.

یہ دو مرتبہ عصا عنایت فرمانے کی روایت ممکن ہے کہ بعض راویوں کے وہم کا نتیجہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو کہ ایک مرتبہ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے

انہیں خالد بن سفیان کے واقع میں اپنا عصا عنایت فرمایا ہوا دوسری مرتبہ اسیر بن زارم کے واقع میں بھی اپنا عصا مرحمت فرمایا ہو۔

عصا ایک مرتبہ عنایت فرمایا گیا ہو یا دو مرتبہ، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اسے اپنے پاس ہی رکھا۔ وہ اپنی تلوار اور عصا اکٹھے ہی رکھتے تھے یہاں تک کہ وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد اسے میرے جسم کے ساتھ کفن کے اندر ہی رکھا جائے۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے ساتھ ہی رکھنے کا حکم دیا تھا اور قیامت کے دن کے لیے اسے نشانی قرار دیا تھا چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت ۵۴ھ میں شام میں جب ان کا انتقال ہوا تو یہ عصا ان کے کفن اور جسم کے درمیان رکھ کر انہیں دفنایا گیا۔

جناب رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چاہنے والوں کو شفاعت کے لیے کس کس طرح اور کس کس مقام پر پہچانیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ۔

کیف تعرف من لم تر من امتك.

آپ نے اپنے جن امتیوں کو نہیں دیکھا قیامت میں آپ انہیں کیسے پہچانیں گے۔

ارشاد فرمایا:

غر محجلون بلق من اثار الوضو.

ان کے وضو کے اعضاء قیامت میں روشن اور چمکدار ہوں گے۔

امت کی پہچان ایسے ہو گی۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کہ پہچان کیا ہو گی؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے تو آپ کے ایک طرف حضرت ابو بکر اور دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے اور آپ نے ان دونوں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

هكذا نبعث يوم القيمة.

قیامت کے دن ہم یونہی اٹھیں گے۔

سو جو آج بھی قبر اطہر کے پاس آرام کر رہے ہیں۔ قیامت میں بھی یونہی اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ایک اور روایت میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بلکہ تمام اہل مدینہ اور اہل مکہ زادھما اللہ شرفاً و تکریماً کو یہی خوش خبری سنائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

انا اول من تنشق عنه الارض ثم ابوبكر ثم عمر ثم اتى اهل البقيع فيحشرون معى' ثم انتظر اهل مكه حتى

احشر بين الحرمين.

"سب سے پہلے میں اپنی قبر سے اٹھوں گا۔ پھر ابو بکر اٹھیں گے۔ پھر عمر اٹھیں گے۔ پھر جنت البقیع والے میرے پاس جمع ہوں گے۔ پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ میں دونوں حرموں (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کے درمیان ان سے ملوں گا۔"

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان سے فرمایا:

انت صاحبی علی الحوض و صاحبی فی الغار.

تم جس طرح غار میں میرے دوست تھے اسی طرح حوض کوثر پر بھی میرے دوست ہو گے۔

حوض کوثر پر بھی آپ اپنے امتیوں کو پہچانیں گے۔ انہیں حوض کوثر کے شربت سے نوازیں گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

اول الناس ورودا عليه فقراء المهاجرين الشعث رئوسا الدنس ثيابا الذين لاينكحون المتنعمات و لا تفتح لهم ابواب السدد.

"سب سے پہلے حوض کوثر پر آنے والے میری امت کے وہ غریب مہاجرین ہوں گے جن کے بال بکھرے رہتے تھے اور تنگدستی کی وجہ سے وہ میلے کچیلے کپڑے پہنتے تھے۔ جو اونچے

گھرانوں کی خواتین سے نکاح نہیں کر سکتے تھے اور انہیں اپنے گھر (ان کی غربت کی وجہ سے) کوئی داخل نہیں ہونے دیتا تھا-"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ حدیث سنی تو کچھ پریشان ہوئے-ان کا خیال یہ تھا کہ وہ بھی اپنے نبی ﷺ کی خدمت میں حوض کوثر پر اس پہلے گروہ میں حاضر ہوں-اس لیے انہوں نے فرمایا-

لکنی نکحت المتنعمات وفتح لی السدد و نکحت فاطمة نبت عبدالملك.

ہم نے اونچے گھرانے کی خواتین سے نکاح کر لیے' میرا نکاح تو فاطمہ سے ہوا ہے جو امیر المومنین عبدالملک کی بیٹی ہے اور میرے لیے تو ہر شخص کے دروازے کھلے ہیں-

مگر دو اوصاف تو ابھی باقی تھے -فرمایا

لاجرم انی لا اغسل راسی حتی یشعث و لا اغسل ثوبی الذی یلی جسدی حتی یتسخ.

کوئی حرج نہیں- میں اپنا سر نہیں دھوؤں گا یہاں تک کہ بال میلے اور بکھر جائیں اور وہ کپڑے بھی نہیں دھوؤں گا جو جسم سے ملے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ میلے ہو جائیں اور ان سے بو آنے لگے-

پھر اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کیسے پہچانیں گے؟ وہ خود ہی فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ قیامت میں مجھے اپنی شفاعت میں یاد رکھیں تو فرمایا میں ضرور تمہاری شفاعت کروں گا- میں نے عرض کیا کہ محشر کی بھیڑ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ تو ارشاد فرمایا-سب سے پہلے تو پل صراط پر دیکھنا- عرض کیا کہ اگر آپ وہاں تشریف فرما نہ ہوں؟ تو فرمایا ترازو کے پاس دیکھ لینا' میں نے عرض کیا کہ اگر وہاں بھی نہ پاؤں تو ارشاد ہوا- حوض کوثر پر دیکھنا میں ان تین مقامات کے علاوہ کہیں نہیں جاؤں گا-

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پہچان اور ملاقات تو وہاں ہو جائے گی-

شفاعت کے لیے آخر گنہگاران امت بھی تو ہوں گے-وہ بھی پہچانے جائیں گے- حضرت امام باقر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کیا خوب کہا-

یا محمد من لم یکن من اهل الکبائر فما له و للشفاعة.

ارے محمد بن علی جو شخص کبائر کا مرتکب گنہگار نہیں ہوگا اس کا شفاعت سے کیا واسطہ؟

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ العیاذ باللہ کوئی شفاعت کے بھروسے پر کبائر کا ارتکاب کرے لیکن ہم جیسے گنہگاروں کے لیے اس

فقرے میں کتنی آس اور امید پوشیدہ ہے۔

پھر کسی کو جناب رسول اللہ ﷺ جنت میں پہچانیں گے اور کسی کو جہنم سے نکالتے ہوئے۔ مگر زمان و مکان کی قیود سے بلند تر آپ کی شفاعت اور محبت آپ کے چاہنے والوں کو ان شاء اللہ مل کر رہے گی۔

(۱) قد زرت ارجو ان اکون مشفعا　عندالغنی ذی الاقتدار ورفعة

میں نے مدینہ طیبہ حاضر ہو کر گویا کہ آپ کی زیارت کر لی اور اب تو یہ آرزو ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو قدرت والا اور بے نیاز ہے' میری شفاعت فرما دیں۔

۲) اذ جاء فی الاخبار قال لزائر　من زار قبری وجب شفاعتی

جو شخص مدینہ طیبہ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے آئے آپ نے خود ہی اس کے لیے فرمایا ہے کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی مجھ پر واجب ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں۔

(۳) القلب یبکی ان اردت فراقه　اذا کنت ارجو من شکون مدینة

جب میں مدینہ منورہ سے جانے کا سوچتا ہوں تو دل روتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ مدینہ طیبہ کے سکون و قرار کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا تو دل رنج محسوس کرتا ہے۔

(٤) الدمع یجری و الفوا دیشتکی　فالبین الاعبی اشد مصیبة

آنسو بہہ رہے ہیں اور دل بیمار ہو گیا ہے۔ اور محبوب کے فراق سے بڑی مصیبت کون سی ہے۔

(٥) ثم الصلاة علی النبی و اله　و الصحب طراهم نجوم هدایة

بس پھر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہو جناب رسول اللہ ﷺ پر اور ان کی اولاد پر اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو کہ ہدایت کے روشن چراغ ہیں۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) الاصابة. ج : ۲' ص : ۲۷۹ . حرف العین. رقم: ٤٥٥٠ .

(۲) مسند امام احمد بن حنبل رحمة الله علیه. ج : ٥' ص : ٤٣١ رقم الحدیث : ١٦٠٤٧ . مسند المکیین حدیث عبدالله بن انیس رضی الله عنه.

(۳) البدایة و النهایة. ج : ٤' ص : ١٤٠ . مقتل خالد بن سفیان بن نبیح.

(٤) تهذیب التهذیب. ج : ٤' ص : ٣٣٧ . حرف العین من اسمه عبدالله . رقم : ٣٣٠٤ .

(٥) مجمع الزوائد. ج : ٨' ص : ٥٢٧ . کتاب علامات النبوة. رقم الباب : ٣٦- ٤٣ . باب شفا الجرح. رقم الحدیث: ١٤١٠٢ .

(٦) طبقات الکبری لابن سعد . ۲' ص : ٩٢ . سریة عبدالله بن

رواحه ابی اسیر بن زارم.

(۷) سیرة الحلبیة. ج : ۳، ص : ۱۸۳. سریة عبدالله بن رواحة رضی الله تعالیٰ عنه الی اسیر.

(۸) کتاب المغازی. ج : ۲، ص : ۵۶۸. سریة اسیر ھا عبدالله بن رواحة الی اسیر بن زارم فی شوال سنة ست.

(۹) المنتظم. ج: ۳، ص : ۲۶۲. ثم کانت سریة عبدالله بن رواحه.

(۱۰) عیون الاثر. ج : ۲، ص : ۱۵۷. سریة عبدالله بن رواحه.

(۱۱) سنن ابن ماجه. ج : ۱، ص : ۱۶۸. کتاب الطهارة و سننها- باب ثواب الطهور. رقم الحدیث: ۲۸۴.

(۱۲) سنن الترمذی. ج: ۵، ص : ۵۷۲. کتاب المناقب. باب : ۱۶. فی مناقب ابی بکر و عمر رضی الله عنهما کلیهما.

(۱۳) ج : ۴، ص : ۵۴۳. کتاب صفة القیامة. باب : ۱۵. ماجاء فی صفة اوانی الحوض: رقم الحدیث: ۲۴۴۴.

✿ ✿ ✿

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

فتح مکہ کے موقع پر حضرت عمیر بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کی پانچ بیویاں تھیں- جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک بیوی کے چھوڑ دینے کا حکم دیا اور چار کو رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی- جس اھلیہ کو انہوں نے الگ کیا وہ حضرت دجاجہ بنت صلت رضی اللہ عنھا تھیں اور ان سے جناب رسول اللہ ﷺ کے پھوپھا حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی- حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کی شادی اس سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی بیضاء بنت عبدالمطلب سے ہو چکی تھی اور یہ اب فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے تھے[1]- حضرت عامر اور ان کی اھلیہ حضرت دجاجۃ رضی اللہ عنہما

[1] ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب جناب رسول اللہ ﷺ کی وہ پھوپھی ہیں جو آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ کے ساتھ ہی پیدا ہوئی تھیں- پہلے آپ کے والد محترم کی پیدائش ہوئی اور پھر ان کی ہوئی- اس طرح یہ دونوں جڑواں بہن بھائی تھے- انہیں بیضاء کے ہاں پہلی بیٹی ''اروی'' کی پیدائش ہوئی اور جوان ہونے پر ان کی شادی عفان بن ابی العاص بن امیہ سے کی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس ''اروی رضی اللہ عنھا'' اور عفان کو ایک بیٹا عنایت فرمایا جس کا نام انہوں نے عثمان رکھا اور یہی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جو جناب رسول اللہ ﷺ کے دوہرے داماد اور خلیفہ ثالث تھے- اس اعتبار سے جناب رسول

کے ہاں جب پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی تو وہ اسے اٹھا کر جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں لائے اور اس کا نام عبداللہ رکھا- جناب رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کو دیکھتے ہی فرمایا-

گزشتہ سے پیوستہ ———————————

اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی بنتی ہیں اور ان کی بیٹی ''اروی'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں-ان کی زندگی بہت طویل ہوئی-نوے برس کی عمر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہی اپنی والدہ کا جنازہ اٹھایا اور چارپائی کی ایک طرف کو پکڑ کر مسلسل چلتے رہے یہاں تک کہ جنازہ رکھا گیا اور آپ نے پڑھایا پھر جنت البقیع میں حضرت اروی رضی اللہ عنہا کی تدفین ہوئی- جنازے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سجدے میں گر گئے اور بار بار یہ فرماتے رہے-

اللھم ارحم امی اللھم اغفر لامی.

''اے اللہ میری ماں پر رحم فرما اے اللہ میری ماں کو بخش دے-''

پھر ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا فرماتے رہے اس طرح امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن (اروی رضی اللہ عنہا) کے بیٹے یعنی رشتے میں آپ کے بھانجے ہوئے-

تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) انساب الاشراف. البلاذری رحمة الله عليه. ج: ٤، ص: ٤٢٣. بنات عبدالمطلب.

(۲) الاصابة فی تمییز الصحابة. ج: ٤، ص: ٢٢٨. كتاب النساء رقم: ٣٥. اروىٰ بنت كريز بن ربيعة.

((هذا يشبهنا))

''اس بچے کی مشابہت تو ہم سے ہے-''

پھر

فتفل النبی صلی الله عليه وسلم فی فيه فجعل يزدرد ريق النبی صلی الله عليه وسلم و يتلمظ.

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس بچے کے منہ میں ڈالا تو یہ بچہ بار بار اس لعاب مبارک کو نگلتا رہا اور اپنی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیرتا رہا-

عبداللہ بن عامر کو یہ تعلیم کس نے دی تھی کہ اس نعمت غیر مترقبہ سے لطف اندوز ہو اور اسے جزو جاں بنائے-

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمعیل کو اداب فرزندی؟

بچے کی اس ادا کو دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

ان ابنك هذا مستقى.

تمہارے اس بیٹے سے تو دنیا سیراب ہو گی-

جناب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو یہ بچہ دو برس کا بھی نہیں تھا لیکن برکتوں نے جس جسم کو اپنا مسکن بنانا تھا وہ کام پورا ہو گیا تھا- جناب رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک اور پیش گوئی اپنا رنگ لا کر رہی- عمر بھر

عرب کے صحراؤں میں پانی کے حوالے سے زندگی گذری۔

ابن عامر کے نام سے ایک نہر جاری کی میدان عرفات میں حجاج کرام جو اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں ان کے لیے پانی کے بڑے بڑے حوض بنوائے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عرفات کیلئے ایک اور نہر کا بندوبست بھی کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پہلے بصرہ کا حاکم مقرر کیا اور پھر خراسان، بجستان، کرمان سب ان کے حوالے کر دیے۔ ان کے کے متعلق یہ مشہور ہو گیا کہ:

فكان لايعالج ارضا الا ظهر له الماء.

یہ جس زمین پر تشریف لے جاتے تھے وہاں پانی ضرور پھوٹ پڑتا تھا۔

اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ۔

لو ان عبدالله قدح حجرا اماهه.

عبداللہ میں تو اتنی برکتیں ہیں کہ یہ کسی پتھر کو بھی ٹھوکر مار دیں تو اس سے چشمہ بہہ پڑے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ہند کی شادی کے لیے انہیں منتخب فرمایا اور ان کے انتقال پر فرمایا۔

بمن نفاخر؟ و بمن نباهى بعده.

اب اس کے بعد ہم کس کا نام لے کر فخر کریں گے۔ اور اب اس کے بعد ہم مقابلے میں کس مرد کا نام لیں گے؟

حضرت عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت، مردانگی، جرات و ہمت اور مخلوق خدا کی سیرابی کا سامان یہ سب کچھ اس ہستی کا فیض تھا۔ جس کے مبارک ہاتھوں نے اس نو مولود کو چھوا تھا اور لاکھوں افراد کی پیاس بجھانے کا سامان اسی وجود مسعود کے لعاب مبارک کا صدقہ تھا جو حضرت عبداللہ بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کے وجود سے ظاہر ہوا۔

صدقے جس کے خاک قدم پر تخت فریدوں بخت سکندر
سطوت کسریٰ شان کے وجم صلی اللہ علیہ وسلم
فقر و غنا دونوں کا سلطان روح و جسد دونوں کا درباں
دین کا اور دنیا کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) دلائل النبوة للبيهقى رحمة الله عليه. ج: ٦، ص: ٢٢٥. باب ماجاء فى تفله فى فم عبدالله بن عامر بن كريز و ما اصابه من بركة.

(۲) تهذيب التهذيب. ج: ٤، ص: ٣٥٢. رقم: ٣٤٩٣. حرف العين من اسمه عبدالله.

(۳) سير اعلام البنلاء. ج: ٣، ص: ١٨. رقم: ٦. عبدالله بن عامر.

❁ ❁ ❁

(۱۴) حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت احمد بن محمد خراسانی نوری رحمۃ اللہ علیہ تیسری صدی ہجری کے اکابر اولیاء کرام رحم اللہ میں شمار کیے جاتے ہیں ان کی وفات بغداد میں ۲۹۵ھ میں ہوئی۔ ۲۶۴ھ میں ان پر یہ الزام تراشا گیا کہ ان کے عقائد شریعت کے مطابق نہیں ہیں اور خلیفہ وقت معتمد باللہ نے انہیں اور ان کے دوستوں کو قابل گردن زدنی قرار دے کر پہلے تو پولیس کے ذریعے گرفتار کروایا اور پھر مقتل کی طرف بھیج دیا۔ جلاد نے ان کی گردنیں اتارنے کے لیے چمڑا بچھا دیا تاکہ خون زمین پر نہ گرے اور تلوار کھینچ لی۔ قبل اس کے کہ کسی کا نام پکارا جاتا حضرت احمد بن محمد النوری رحمۃ اللہ علیہ دوڑے اور چمڑے پر جا کھڑے ہوئے۔ جلاد نے پوچھا کہ تمہیں قتل ہونے کی کیا جلدی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔

اثرت حیاتھم علی نفسی ساعة.

”میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی کے جو چند سانس باقی ہیں اپنے دوستوں کی زندگی پر قربان کر دوں۔“

جلاد نے یہ منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اسے اہل دل سے کبھی واسطہ پڑا ہی نہ تھا۔ رک گیا اور خلیفہ کو اطلاع دی۔ انہوں نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے قاضی القضاۃ اسماعیل بن اسحٰق کو مقرر کیا اور انہوں نے

صوفیاء کی اس جماعت کو ان کے عقائد دریافت کرنے کے لیے عدالت میں طلب کر لیا۔

یہ حضرات رحمہم اللہ عدالت میں پیش ہوئے۔ عقائد اور عبادات کے بارے میں طویل گفتگو ہوئی اور قاضی القضاۃ نے خلیفۂ وقت معتمد باللہ کو لکھا۔

فللہ عباد ینطقون باللہ و یاکلون باللہ و یسمعون باللہ.

اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی بات کرتے ہیں وہ اسی کے کہنے سے کھاتے ہیں اور اس کے کہنے کے مطابق سنتے ہیں۔

پھر قاضی القضاۃ روئے اور لکھا:

ان کان ھولاء القوم الزنادقه فلیس فی الارض موحد.

یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں اور اگر یہ گمراہ و بد عقیدہ ہیں تو پھر دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔

اس کے بعد اس نے اس جماعت کو رہا کر دیا۔

شیخ احمد خراسانی رحمۃ اللہ علیہ قربانی میں اپنے تمام ساتھیوں سے بڑھ گئے۔ ان کی غیرت و اثیار نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس موقع کو گنوا دیں۔ زندگی کے چند سانس بھی انہوں نے اپنے دوستوں کو دینے کی

سعی مشکور کی۔

قربانی سے پہلے کے مراحل کیا ہیں؟ سب سے پہلا مرتبہ سخاوت کا ہے کہ انسان کچھ خرچ کرے اور کچھ بچائے۔ پھر دوسرا مرتبہ جودو کرم کا ہے کہ زیادہ خرچ کردے اور کم بچائے اور تیسرا مرتبہ قربانی کا ہے کہ انسان ضروریات زندگی کے علاوہ ہر چیز اللہ کی راہ میں لٹا دے۔

صوفیاء کرام رحمہم اللہ بلاشبہ سب سے اعلیٰ درجے یعنی قربانی اور ایثار کا پیکر تھے اور یہ وصف ان میں اتباع سنت کے غلبے سے پیدا ہوا تھا کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی تمام حیات طیبہ قربانی، جودو سخا اور ایثار کا بہترین مرقع تھی۔ اس ہستی سے بڑا سخی، جواد اور کریم کون ہوگا کہ ؂

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی
سلام اس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت و تربیت سے یہی وصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں منتقل ہوگیا تھا اور ان کی اس حالت کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ۔

﴿وَ یُوْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَ لَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَةٌ﴾

(الحشر: ۹)

"اور یہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ یہ خود فاقے سے ہی کیوں نہ ہوں۔"

جن کی قربانی اور ایثار کی گواہی خود اللہ تعالیٰ دے اس کے بعد مزید کس شہادت یا دلیل کی ضرورت رہ جاتی ہے۔؟

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینا سے بے رغبتی اور قربانی ضرب المثل بن گئی تھی۔ ان میں ایک حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کے والد کا دوسرا نام بعض محدثین نے "یربوع" بھی لکھا ہے گویا کہ ایک ہی شخصیت کے دو نام تھے۔

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ دو غزوات میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ غزوۂ خیبر کی غنیمت میں سے انہیں ان کا حصہ ملا۔ اور ان کے زہد اور قربانی کا یہ حال تھا کہ۔

یعطی سھمه لبنی عمه عاما و لاخواله عاما.

یہ اپنا حصہ ایک سال تو اپنے چچازاد بھائیوں کو اور ایک سال اپنے ماموؤں کو دے دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں انہیں موصل کا گورنر مقرر کیا۔ موصل ہی میں انہوں نے اپنے لیے گھر اور ایک مسجد کی تعمیر کی۔ پھر یہ کوفہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ انہیں خط بھی تحریر فرماتے تھے اور ایک مکتوب گرامی میں انہیں لکھا۔

ایاکم و التنعم.

زیادہ نازوانداز کی زندگی بسر کرنے سے اجتناب کرنا۔

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ وہ جس راستے سے بھی گذرتے وہ مہک اٹھتا اور ان کے گذرنے کے بعد بھی دیر تک وہ خوشبو قائم رہتی۔ یہاں تک کہ لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ یہاں سے گذرے ہیں۔ ان کی تین بیویاں تھیں اور ان کی ایک اہلیہ ام عاصم رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ہم تینوں بہتر سے بہتر خوشبو استعمال کرتی تھیں مگر ان کے جسم سے جو خوشبو اٹھتی تھی اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا حالانکہ یہ کسی ایسی خوشبو کا استعمال بھی نہیں کرتے تھے۔ بس کبھی اپنی داڑھی میں تیل لگا لیا کرتے تھے۔ گویا کہ خوشبو ان میں رچ بس گئی تھی۔

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خود اس خوشبو کی وجہ بیان فرمائی اور بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ایک مرتبہ میری ناف ٹل گئی اور مجھے اس کی وجہ سے بہت تکلیف تھی۔ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تم اپنے تمام کپڑے اتار دو۔ تو میں زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے سارے کپڑے اتار کر اپنا ستر چھپانے کے لیے ان کپڑوں کو گود

میں رکھ لیا اب جناب رسول اللہ ﷺ نے

تفل فی یدہ الشریفہ و دلک بھا الاخری.

اپنا لعاب مبارک اپنی ایک ہتھیلی پر ڈالا اور دوسری ہتھیلی سے اسے مل لیا یعنی آپ کی دونوں ہتھیلیاں آپ کے لعاب مبارک سے تر ہو گئیں۔

اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں ہاتھ

مسح ظھری و بطنی بیدیہ.

میری پیٹھ اور میرے پیٹ پر پھیرے۔ اور

فعبق ھذا الطیب من یدیہ یومئذ.

"آپ کے دونوں ہاتھوں سے خوشبو پھوٹ پڑی اور اس کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔ اور آپ نے وہ دونوں ہاتھ میرے جسم پر پھیر دیے جس کی وجہ سے یہ خوشبو اس دن سے آج تک میرے جسم پھوٹ رہی ہے۔"

جناب رسول اللہ ﷺ خود طیب و طاہر، مطیب و مطہر تھے۔ پھر ان کا لعاب مبارک اور دونوں مبارک ہاتھ جس جسم پر لگے تھے وہاں سے خوشبو کا پھوٹنا اور اس کا عمر بھر قائم رہنا چنداں قابل تعجب نہیں۔

آج بھی روضۂ مبارک کی جالیوں پر مرقوم اشعار ان "عبقات (Sweet Flavour)" کی یاد دلاتے ہیں۔

یاخیر من دفنت فی القاع اعظمہ   فطاب من طیبھن القاع و الا کم

اے وہ سب سے اچھی ذات جس کی مبارک ہڈیاں اس حجرے میں دفن ہیں اور ان کی خوشبو سے مدینہ طیبہ کا گوشہ گوشہ مہک اٹھا۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه　فیه العفاف و فیه الجود و الکرم

اس قبر پر میری جاں قربان جس میں آپ آرام فرمارہے ہیں اس قبر میں پاکیزگی ہے اور وہ تو جود و سخاوت کا گھر ہے۔

انت الشفیع الذی ترجی شفاعته　علی الصراط اذا ما زلت القدم

آپ ہی وہ شفاعت فرمانے والے ہیں جن کی شفاعت کی امید ہے جب پل صراط پر قدم ڈگمگائیں گے تو آپ ہی کی شفاعت کا بھروسہ ہے۔

و صاحباك فلا انسهما ابدا　منی السلام علیکم ما جری القلم

اور آپ کے دونوں دوستوں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو میں کبھی بھی بھلا نہیں سکتا۔ جب تک دنیا میں قلم لکھتا رہے، میری طرف سے اللہ تعالیٰ کی سلامتی آپ سب پر نازل ہوتی رہے۔

شکایت و حکایت تو صرف ''ناف کے درد'' کی تھی اور آپ نے تو انہیں سر سے لے کر پاؤں تک خوش بو دار بنا دیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاں محبت قربانی اور جود و سخا کا کون سا باب ایسا تھا جو وانہ تھا۔

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے　دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے　کہ خود کھائے جو، اور جواہر لٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی
دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی

جو سویا تھا احساس اس کو جگایا　جو فتنہ تھا بیدار اس کو سلایا
کچھ ایسا اخوت کا چشمہ بہایا　کہ دم میں تعصب کا شعلہ بجھایا
محبت سکھا دی، عداوت بھلا دی
لگا دی یہ آگ اور وہ آتش بجھا دی

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱)　سیر اعلام النبلاء. ج: ۱۴، ص: ۷۱-۳۵- النوری.

(۲)　الرسالة القشیریة. ص: ۲۴۷-۳۴- الجود و السخاء.

(۳)　تهذیب التهذیب. ج: ، ص: ۴۶۳. حرف العین من اسمه عتبة. رقم: ۴۵۷۴.

(۴)　الطبقات الکبریٰ. ج: ۶، ص: ۴۱. طبقات الکوفیین. عتبة بن فرقد.

(۵)　تهذیب الکمال. ج: ۱۲، ص: ۳۷۱. باب العین من اسمه عتبة. ۴۳۶۷. عتبة بن فرقد.

(۶)　اسد الغابة. ج: ۳، ص: ۳۶۵. عتبه بن فرقد.

(۷)　الاصابة. ج: ۳، ص: ۴۵۵. حرف العین. ۵۴۱۲ (عتبة) بن فرقد بن یربوع.

(۸) السیرة الحلبیة. ج : ۳ ص' : ۲۸۲. باب ذکر نبذ من معجزاته صلی الله علیه وسلم.

(۹) الاستیعاب علی ھامش الاصابة . ج : ۳' ص : ۱۱۹.

(۱۰) ھدایة السالك. ج : ۳' ص : ۱۳۸۳. الباب السادس عشر. فی زیارة رسول الله صلی الله علیه وسلم و تاریخ مسجده.

❁❁❁

(۱۵) حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

ہجرت کے ساتویں برس کا آغاز تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ''خیبر'' کا رخ فرمایا- خیبر' مدینہ طیبہ سے شمال مشرق کی جانب صرف ستر ۷۰ میل کی مسافت پر ہے یہ یہودیوں کی کالونی تھی جہاں پر یہودی مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودیوں اور دیگر کافروں کے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ مدینہ منورہ پر حملہ کریں-اس کالونی میں متعدد مضبوط قلعے تھے اور جب جناب رسول اللہ ﷺ یہاں جہاد کی غرض سے تقریباً چودہ سو مجاہدین کو لے کر پہنچے تو ایک ایک کر کے تمام قلعے فتح ہوتے رہے مگر ''القموص'' کا قلعہ مسلمانوں کے لیے مسئلہ بن گیا-اس کی فتح بہت ضروری تھی اور یہ کسی طور سے فتح ہو ہی نہیں رہا تھا یہاں تک کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا-

لاعطین ھذه الرایة غدا رجلا یفتح الله علی یدیه یحب الله و رسوله و یحبه الله و رسوله.

میں یہ جھنڈا کل اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اس قلعے کی فتح ہو گی-اس شخص کو اللہ تعالیٰ سے اور مجھ سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کو اور مجھے اس شخص سے محبت ہے-

فتح کی بشارت اور محبت کی نوید نے اس رات کو سراپا اشتیاق و

انتظار کی رات بنا دیا- یوں تو سبھی جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت میں گم تھے مگر ہر ایک کو بقدر تعلق یہ امید تھی کہ صبح یہ جھنڈا اسے عنایت فرمایا جائے گا- یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے تھے-

ما احببت الامارة الا يومئذ.

مجھے کبھی بھی جہاد میں امیر ہونا اچھا نہیں لگا مگر اس دن یہ خواہش تھی (کہ جھنڈا مجھے عطا ہو)

ہر شخص منتظر تھا کہ کسے یاد فرمایا جاتا ہے- یہاں تک کہ ارشاد ہوا-

((اين على بن ابى طالب))

علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں-؟

عرض کیا گیا-

هو يا رسول الله يشتكى عينيه.

اللہ کے رسول (ﷺ) انہیں تو آشوب چشم ہے-

ارشاد ہوا کہ انہیں بلایا جائے اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ انہیں لے کر حاضر ہوئے آشوب چشم کی یہ کیفیت کہ دونوں آنکھیں بالکل بند تھیں- ہاتھ پکڑ کر انہیں چلایا جا رہا تھا اور راستہ تک دیکھنا دشوار تھا-

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹایا اور ان کا سر اپنی گود میں رکھا پھر اپنی دونوں انگلیوں پر لعاب مبارک لگایا اور انہیں ان کی

آنکھوں پر پھیر دیا- پھر ان کی محبت نے یہ کرم بھی فرمایا کہ دعا مانگی-

اللهم اذهب عنه الحر و القر.

اے اللہ گرمی اور سردی دونوں موسموں کے اثرات کو اس علی رضی اللہ عنہ سے دور فرما دے-

اس لعاب مبارک اور ان محبتوں کا کیا اثر ہوا؟ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھئے' انہوں نے فرمایا-

فما اشتكيتهما حتى يومى هذا.

لو گو اس دن سے لے کر آج کے اس دن تک گرمی اور سردی کے اثرات سے میں بیمار نہیں ہوا-

اور ایک مرتبہ فرمایا:

فمار مدت و لا صدعت مذدفع النبى صلى الله عليه وسلم الى الراية يوم خيبر.

جس دن جناب رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں مجھے جھنڈا عنایت فرمایا تھا اس دن کے بعد سے آج تک نہ تو مجھے کبھی آشوب چشم ہوا ہے اور نہ ہی کبھی سر درد میں مبتلا ہوا ہوں-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا ہوا تو انہوں نے عرض کیا:

اقاتلهم حتى يكونوا مثلنا.

میں یہودیوں سے لڑوں گا یہاں تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں-

تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علی: اللہ کا نام لے کر چلو اور یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ جاؤ۔ پھر انہیں اسلام کی دعوت دینا اور انہیں سمجھانا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں۔

علی اللہ کی قسم صرف ایک شخص کو اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے راہ راست دکھادے تو یہ تمہارے حق میں اس ساری دنیا سے بہتر ہے۔

اسے جناب رسول اللہ ﷺ کی دعا کا اثر کہیے یا پیشین گوئی کا نام دیجیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ذات 'ان کے علم و فتاویٰ اور تقویٰ و تزکیہ سے لاکھوں کو ہدایت بخشی۔ تاریخ و فقہ پر جس کی نظر ہو وہ شہادت دے گا کہ فقہ حنفی 'امیر المومنین سیدنا حضرت عمر 'حضرت عبداللہ بن مسعود اور امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہم ہی کی روایات و فتاویٰ کا نام ہے۔

اور وہ چوتھے رکن خلافت طرہ تاج مجد و شرافت
پیکر رافت جود مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
شاہ نجف مولائے رسالت 'جرعہ کش صہبائے رسالت
علم میں راسخ' دین میں اقدم' صلی اللہ علیہ وسلم
نیر ساطع' صہر پیمبر' حجت قاطع' فاتح خیبر
وہ میدان وغا کے ضیغم' صلی اللہ علیہ وسلم
آنکھ حریم قدس کی روزن' آب دہن کے فیض سے روشن
سر محراب عبادت میں خم' صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) صحيح بخارى . ج : ۲ ' ص : ٦٠٥ . كتاب المغازى . باب غزوة خيبر.

(۲) فتح البارى. ج : ۷' ص : ٤٧٦ . رقم الحديث : ٤٢١٠ . كتاب المغازى. باب غزوة خيبر.

(۳) البداية و النهاية. ج : ٤ ' ص : ١٨٤ . سنة سبع من الهجرة.

(٤) الرياض النضرة. ص : ١٤٧ . الباب الرابع. الفصل السادس فى خصائصه رضى الله عنه.

❁❁❁

(۱۶) حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

ہجرت اسلام کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل، جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سفر ہجرت میں ہمراہ رکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ جب یہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو گئے تو اپنے سفر ہجرت کا آغاز فرمایا۔ راتوں کو چلنا اور دن کو چھپنا معمول تھا کئی دن کی مشقت اور زحمت اٹھانے کے بعد مدینہ طیبہ سے کچھ پہلے ہی جناب رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کے قریب ایک مکان پر بصد ہزار شوق والم پہنچنا ہوا۔ حکم ہوا۔

((ادعوا لی علیا)). علی (رضی اللہ عنہ) کو میرے لیے بلاؤ۔

عرض کیا گیا کہ وہ تو چلنے تک سے معذور ہو گئے ہیں۔ مسلسل پیدل سفر کرنے کی وجہ سے ان کے دونوں پاؤں پھٹ گئے ہیں، خون بہہ رہا ہے اور اتنا ورم ہے کہ پاؤں اٹھانا دشوار ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے آئے۔ پھر انہیں فرط محبت سے گلے لگالیا۔ اور جب ان کے پاؤں کے ورم کو دیکھا تو فرط رحمت سے رو پڑے۔ جو ذات گرامی قدر اپنے دشمنوں کی تکلیف پر بے تاب ہو جاتی تھی وہ سراپا رحمت اپنے محبّ و مفتخر کی اس حالت کو کیسے گوارا کر لیتی۔

درود اس پر کہ جس کا تذکرہ عین عبادت ہے
درود اس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے

علاج ہوا۔ اور کیا علاج ہوا؟

و تفل فی یدیہ و امرھما علی قدمیہ فلم یشتکھا بعد حتی قتل.

جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر اپنا لعاب مبارک لگا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دونوں پاؤں پر اپنے دونوں مبارک ہاتھ پھیرے اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام عمر دونوں پاؤں میں تکلیف نہیں ہوئی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اور اپنے خدام کے پاؤں کو چھوئیں، مساوات اور حقوق انسانی کی ادائیگی کا اس سے بڑا باب تاریخ انسانیت میں کیا رقم ہوگا۔

سلام اس پر مٹایا جس نے فرق خواجہ و مولا
سلام اس پر اٹھائی جس نے رسم بندہ و آقا

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر. ج: ۲، ص: ۱۰۶. ذکر ھجرۃ النبی ﷺ.

(۲) السیرۃ الحلبیہ. ج: ۲، ص: ۵۳. باب الھجرۃ الی المدینۃ.

(۳) السیرۃ النبویۃ لسید احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ التی بھامش السیرۃ الحلبیۃ. ج: ۱، ص: ۳۲۶.

(۴) اسد الغابۃ. ج: ۴، ص: ۱۹. باب العین و الام.

(۱۷) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے کہ صبح جب ان کی آنکھ کھلتی تو اللہ کے فرشتے ان سے مصافحہ کرنے کے لیے پہلے سے کھڑے ہوتے - حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے -

یحلف بالله ما قد مهاراكب خير من عمران بن حصين.

اللہ کی قسم بصرہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا -

انہوں نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور اس حدیث کے سارے راوی بصرہ ہی کے ہیں -

یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے رات کے آخری حصے میں ایک مقام پر پڑاؤ کیا اور مسافر کے لیے رات کے آخری حصے کی نیند سے زیادہ میٹھی نیند کوئی نہیں ہوتی - سو ہم ذرا دیر سونے کے لیے لیٹے اور پھر جب دھوپ کی وجہ سے ریت گرم ہو گئی تو اس گرمی ہی نے ہمیں بیدار کیا - ایک ایک کر کے لوگ اٹھے اور پھر چوتھے شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے جن کی

آنکھ کھلی - جناب رسول اللہ ﷺ جب سو رہے ہوتے تھے تو ہم انہیں کبھی بیدار نہیں کرتے تھے بلکہ انتظار کرتے تھے کہ وہ از خود بیدار ہوں کیونکہ ان کا خواب بھی وحی تھی اور ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس نیند میں اب وہ خواب (وحی) دیکھ رہے ہیں یا نہیں - پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو لوگوں پر جو مصیبت آچکی تھی یعنی سب کی نماز فجر قضا ہو گئی تھی اس کا انہیں احساس ہوا اور ان کی آواز بہت گرجدار اور وہ بڑے دل گردے کے آدمی تھے، تو انہوں نے بار بار تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا شروع کیا اور ان کی آواز سن کر جناب رسول اللہ ﷺ بھی بیدار ہوئے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فہم و حکمت کی دلیل ہے کہ انہوں نے تکبیر ہی کہی، کوئی اور الفاظ استعمال نہیں فرمائے کیونکہ نماز کے لیے تکبیر ہی کے الفاظ سے بلایا جاتا ہے) اب لوگوں نے آپ سے نماز قضا ہونے پر جو پریشانی تھی اس کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا -

لا ضير.

کوئی نقصان نہیں -

یا یہ فرمایا:

لا يضير.

کوئی نقصان نہیں ہو گا -

دونوں جملوں میں کچھ خاص فرق نہیں ہے لیکن اس حدیث شریف کے راوی حضرت عوف رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط دیکھئے کہ انہیں

شک پڑ گیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کیا لفظ استعمال فرمایا تھا کہ لا ضیر (کچھ نقصان نہیں) یا مستقبل کا صیغہ استعمال فرمایا تھا لا یضیر (کوئی نقصان نہیں ہو گا) اس لیے دونوں جملے نقل کر دیئے کہ مبادا کوئی ایسا جملہ جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائے جو انہوں نے فرمایا نہ ہو- یہ ہے روایت حدیث میں انتہائی احتیاط کا عالم- بعض نادانوں کو پھر بھی یہ شبہ و شکایت رہتی ہے کہ معلوم نہیں حدیث کے الفاظ جو ہم تک پہنچے ہیں درست بھی ہیں یا نہیں؟

جناب رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان نہ ہوں اور جس حد تک بھی ہو سکے ان کے دلوں کو ٹھیس نہ پہنچے اس لیے ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ جب نماز ان لوگوں نے جان بوجھ کر قضا نہیں کی تو اب پریشانی کیسی؟ حکم ہوا-

تحولوا عن مکانکم الذی اصابتکم فیه الغفلة.

اس جگہ کو ہی چھوڑ دو جس جگہ تم سو کر نماز سے غافل ہو گئے-

جناب رسول اللہ ﷺ کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص، یا جگہ یا کام یا مصروفیت نماز اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے، اس شخص، اس جگہ، اس کام اور اس مصروفیت کو چھوڑ دینا چاہیے اس دور میں سب سے بڑا جرم اور گناہ غفلت اور ترجیحات کی غلط تعیین ہے-

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوچ کیا اور ایک دوسرے قریبی مقام پر جا اترے- جناب رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو فرمایا- نماز کے

لیے آذان ہوئی اور آپ نے قضا نماز سب کو پڑھائی- پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص نے نماز نہیں پڑھی اور لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھا ہے- آپ نے نماز نہ پڑھنے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا- مجھ پر غسل واجب ہو گیا ہے اور نہانے کے لیے پانی نہیں ہے- جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں تیمّم کرنے کا حکم فرمایا- (اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص میں کوئی شرعی عیب نظر آئے تو اس شخص سے پوچھ لیا جائے کہ وہ یہ کام کیوں کر رہا ہے نہ یہ کہ اس سے بدگمان ہو کر اپنے آپ کو گنہگار کیا جائے یا پھر اس کی غیبت کی جائے- جو کہ حرام ہے اور پھر یہ حرام کام کر کے اسے دین کی خدمت سمجھا جائے اور اپنے کبر کی تسکین دین کے نام پر کی جائے- پھر یہ پوچھنا بھی نرمی سے ہو جیسے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا- کسی کا عیب دیکھ کر بغیر تحقیق کیے لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ جانا یہ طریقہ خلافت سنت ہے)

پھر جناب رسول اللہ ﷺ قافلہ لے کر چلے تو لوگوں نے پیاس کی شکایت کی تو آپ ایک مقام پر ٹھہر گئے- پھر آپ نے مجھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور دونوں سے کہا کہ فوراً جاؤ اور قرب و جوار میں کہیں سے پانی تلاش کرو- (جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کیا کہ تشریف فرما ہو جاتے اور آسمان سے پانی برسنے کا انتظار ہوتا بلکہ جو کچھ عالم اسباب میں میسر تھا وہ کام کرنے کی طرف توجہ فرمائی اور پھر

آپ کی برکات کا ظہور ہوا اسباب کو اختیار کرنا توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے) ہم دونوں گئے اور ایک مقام پر ایک عورت کو دیکھا جو اونٹ پر تھی اور اس کے آگے پیچھے دو مشکیزوں میں پانی تھا- ہم نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ملتا ہے تو اس نے کہا اتنی مسافت پر کہ کل اس وقت میں وہاں مشکیزے بھر رہی تھی اور ہمارے قبیلے کے مرد پیچھے آ رہے ہیں- ہم نے کہا آپ ہمارے ساتھ چلیں- تو اس نے پوچھا کہاں؟ ہم نے کہا جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلو- تو وہ بولیں وہ شخص جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے اپنا دین بدل لیا ہے؟ ہم نے کہا وہی جنہیں آپ سمجھ رہی ہیں (کیسا عمدہ جواب دیا' اگر یہ کہتے کہ نہیں تو ایک بحث شروع ہو جاتی کہ دین بدلا ہے یا نہیں اور اگر کہتے ہاں تو پھر جناب رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں حسن ادب سے کم درجے کی بات ہوتی اس لیے کیا خوب جواب دیا ہے کہ انہیں کے پاس جنہیں آپ سمجھی ہیں) سو وہ عورت چلیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں- ان حضرات نے ساری بات چیت بھی عرض کر دی اور آپ نے حکم فرمایا کہ ان دو منہ والے دونوں مشکیزوں کو لٹکا کر ان کا منہ کھول دیا جائے اور نیچے کے منہ کے نیچے برتن رکھ دیا جائے- پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں کلی کی اور آپ کا لعاب مبارک جس پانی میں شامل ہوا اس پانی کو مشکیزوں میں ڈلوا کر آپ نے ان کے نیچے کے منہ کھلوا دیئے اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ خود بھی پانی پیو اور اپنے جانوروں کو بھی

پلاؤ- تمام انسانوں اور جانوروں نے خوب پانی پیا پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک برتن پانی سے بھر کر اس شخص کو دیا جس پر غسل واجب تھا اور فرمایا اس سے غسل کر لو- (یہ دلیل ہے اس بات کی کہ طہارت پر انسانوں اور حیوانوں کی پیاس بجھانے کو ترجیح دی جائے گی)

وہ عورت کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ اس سے لیے گئے پانی کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے اور قسم ہے اللہ کی جب ان مشکیزوں کے منہ بند کیے گئے تو وہ پہلے سے زیادہ پانی سے بھرے ہوئے تھے (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک جب پانی سے ملا تو یہ برکت ہوئی) اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس عورت کے لیے کچھ جمع کرو- لوگوں نے بہت سی کھجوریں' آٹا اور ستو ایک کپڑے میں باندھ کر اس عورت کے سامنے رکھ دیئے تو آپ نے اس سے فرمایا تم دیکھ لو ہم نے تم سے کچھ نہیں لیا ہمیں اللہ تعالیٰ ہی نے پانی پلایا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے برتن اگر ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو تو انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے)

پھر وہ عورت اپنے قبیلے والوں کی طرف لوٹ گئی تو انہوں اس تاخیر کا سبب دریافت کیا وہ بولیں عجیب بات ہوئی مجھے دو آدمی راستے میں ملے اور اس شخص کے پاس لے گئے جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اپنا دین بدل لیا ہے اور پھر جو کچھ کہ دیکھا تھا سب بیان کیا اور پھر اپنے ہاتھ کی درمیان والی اور شہادت والی انگلی سے آسمان اور زمین کی

طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں اللہ کی قسم جتنے بھی انسان اس زمین و آسمان کے درمیان ہیں ان میں یہ شخص یا تو سب سے بڑا جادوگر ہے اور یا پھر اللہ کی قسم یہ شخص اللہ کا رسولؐ ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی کارسازی کی
سلام اس پر کہ خو جس کی تھی ہمسایہ نوازی کی

پھر اس قبیلے کو اس عورت نے اسلام کی دعوت دی اور وہ سب مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(١) تهذيب التهذيب . ج : ٦، ص : ٢٣٤. حرف العين من اسمه عمران.

(٢) تهذيب الكمال. ج : ١٤. ص : ٣٨١. باب العين من اسمه عمران.

(٣) فتح الباري. ج : ١، ص : ٤٤٧. كتاب التيمم. باب الصعيد الطيب وضو المسلم يكفيه من الماء. رقم الحديث: ٣٤٤.

(٤) صحيح بخاري . ص : ٢٩. كتاب التيمم. باب الصعيد الطيب وضو السلم يكفيه عن الماء . رقم الحديث : ٣٤٤.

❁ ❁ ❁

(۱۸) حضرت عمرو بن معاذ بن جموح رضی اللہ عنہ

جناب رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیا میں موجود تھے جن میں مرد عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے مگر اسماء الرجال کی کتابوں میں جن کا تذکرہ تفصیل یا اجمال کے ساتھ ملتا ہے ان کی تعداد دس ہزار سے بھی کم ہے۔ ان میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں جن کا تذکرہ کئی کئی صفحات میں ہے اور وہ بھی جن کا اسم گرامی ہی دنیا میں رہ گیا اور اس سے زیادہ ان کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا پھر ان کے علاوہ ہزاروں ہزار ایسے ہیں جن کے اسماء گرامی تک کا علم ہی نہیں اور جنت الفردوس ان کے دم سے آباد ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور صحبت ان کا حقیقی شرف تھا اور اس شرف کا بدل قیامت تک کوئی اور نہیں ہے۔

انہیں گم نام مقربین الٰہی میں سے ایک نام حضرت عمرو بن معاذ بن جموح رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، جن کے وجود کی خبر ایک اور صحابی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے دی ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں مگر اس پر اشکال یہ ہے کہ جو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں ان کا نسب تو عمرو بن معاذ بن نعمان رضی اللہ عنہ ہے جب کہ یہ عمرو بن معاذ بن جموح رضی

اللہ عنہ ہیں۔

بعض حضرات نے عمرو بن معاذ کی بجائے معاذ بن عمرو کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ ان کا وہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تذکرے سے کتابیں خاموش ہیں اور ان کے تفصیلی حالات مذکور نہیں ہیں مگر جو شرف انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے حاصل ہوا تھا وہ عدم تذکرہ کے باوجود اس سے مشرف ہیں۔ انصار مدینہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور انصار مدینہ تو وہ ہیں جن کے لیے جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔

((اللهم اغفر للانصار و لا بناء الانصار و ابناء ابناء الانصار)).

اے اللہ انصار مدینہ کو ان کے بیٹوں کو اور ان کے پوتوں کو بھی بخش دے۔

یقیناً یہ دعا حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی ملی ہو گی کہ وہ بھی انصار مدینہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں ایک مقام پر تشریف فرما تھے اور انصار مدینہ کے بچے اور عورتیں ایک شادی سے واپس آ رہے تھے کہ آپ کی نگاہ ان پر پڑی۔ آپ ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر فرمایا۔

((اللهم انتم من احب الناس الى اللهم انتم من احب

الناس الى)).

اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ اے انصار تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارے لگتے ہو۔ اے انصار اللہ اس بات پر گواہ ہے کہ تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ اچھے لگتے ہو۔

یہ صحابی حضرت عمرو بن معاذ بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ بھی تو جناب رسول اللہ ﷺ کو پیارے اور چہیتے ہوں گے۔

ان انصار کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی۔

((و ان الناس سیکثرون و یقلون فاقبلوا من محسنهم و اعفوا عن مسیئهم)).

دیکھو آبادی میں کثرت کی وجہ سے لوگ بڑھتے چلے جائیں گے اور یہ انصار مدینہ کم ہوتے چلے جائیں گے۔ ان انصار کی طرف سے جو نیکی اور خوبی پاؤ اسے قبول کر لینا اور ان کی طرف سے کوئی شکایت ہو تو اس سے درگذر کرنا۔

ان انصار مدینہ میں یہ حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہم تو ایسے کم ہوئے کہ بجز ان کے اسم گرامی اور زیر تحریر واقعہ کے کوئی نشان باقی نہ رہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کسی غزوۃ میں بھی شرکت فرمائی ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن معاذ بن جموح رضی

اللہ عنہ کے پاؤں میں زخم آ گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تفل فی جرح عمرو بن معاذ بن الجموح.

عمرو بن معاذ بن جموح رضی اللہ عنہ کے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اسی ذریعے سے انہیں شفا دے دی۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو انصار مدینہ رضی اللہ عنہم سے جو محبت تھی، اس محبت کا مظہر یہ عنایت تھی۔

و صدره مخزن الا سرار منبعها　　فيه الهدى و الغنى و الجود والنحل

اور جناب رسول اللہ ﷺ کا سینہ مبارک اسرار کا مخزن اور منبع تھا۔ اس سینہ مبارک میں ہدایت تھی۔ سخاوت تھی، بے نیازی تھی اور لوگوں کے لیے عنایات تھیں۔

جود الاكف كبحر عب ملتطما　　نواله عجب مقداره جلل

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی سخاوت اس سمندر جیسی تھی جو تلاطم کی وجہ سے ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ اور وہ سخاوت بھی تو ایسی عجیب تھی کہ اس کی تھوڑی سی مقدار بھی بڑی سے بڑی ہوتی تھی۔

قد نال من شرف لا فوقه شرف　　ملقب بحبيب الله ممتثل

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ عزت بخشی جس سے بڑھ کر کسی

عزت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا حبیب (دوست) ارشاد فرمایا:

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) صحيح مسلم. ج : ٤، ص : ١٤٣، كتاب فضائل الصحابة رضى الله عنهم. ٤٣. باب من فضائل الانصار رضى الله تعالىٰ عنهم. رقم الحديث: ١٧٢- (٢٥٠٦).

(۲) الاصابة. ج : ٣، ص ١٧. حرف العين. رقم: ٥٩٦٦.

(۳) موارد الظمآن ص : ٥٢٦-٣٥ . كتاب علامات نبوة نبينا صلى الله عليه وسلم. ١٧. باب الشفا بريقه.

(٤) الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان. ج : ٩، ص : ١٥١. كتاب التاريخ. باب المعجزات. رقم الحديث : ٦٤٧٥.

❀❀❀

(۱۹) حضرت فدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ دنیا دار الاسباب ہے اور تمام اسباب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں- بارہا ایسے ہوا ہے کہ کوئی سبب اپنی جگہ پر قائم رہا اور اس کی ظاہری شکل و صورت نہیں بدلی مگر اس کی تاثیر بدل دی گئی- سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں آگ کی ظاہری شکل و صورت ایسے ہی رہی مگر اس کی تاثیر جو جلانے کی تھی ختم کر دی گئی- حضرت موسیٰ علیہ و علی نبینا الصلاۃ والسلام کے لیے بحیرۂ قلزم کے پانی کے بہاؤ کو روک دیا گیا اور اس کے سیلان کی تاثیر سلب کر لی گئی- اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رفعت و عظمت کے ثبوت میں بارہا عالم اسباب میں اسباب سے ان کی تاثیرات سلب فرمائی ہیں-

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت فدیک رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا بعض حضرات نے ان صحابی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی حضرت فویک رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے یعنی فاء کے بعد "دال" یا "واو" کے حرف پر اختلاف ہے ان کے بیٹے حضرت حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان کے والد حضرت فدیک رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں- کچھ نظر نہیں آتا تھا- جناب رسول اللہ ﷺ نے اس

نابینا پن کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ ایک مرتبہ میں جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہا تھا کہ میرا پاؤں ایک سانپ کے انڈے پر پڑ گیا- اور وہ انڈا ٹوٹ گیا اور اس پاؤں پڑنے کا اثر یہ ہوا کہ میری بصارت چلی گئی-

جناب رسول اللہ ﷺ کو اس بات سے دکھ ہونا ایک طبعی امر تھا- ان کی ہستی تو اتنی شفیق اور مہربان تھی کہ-

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

یہاں تو معاملہ اپنے ہی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا تھا- جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے قریب بیٹھا کر ان کی آنکھوں پر تھتکار دیا اور آپ کے لعاب مبارک کے ذرات کا یہ اثر ہوا کہ ان کی بینائی لوٹ آئی' آنکھیں اپنی حالت میں یعنی سفید ہی رہیں ان کی ظاہری حالت میں کوئی فرق نہیں آیا مگر ان کی حقیقت نابینائی سے بینائی میں تبدیل ہو گئی- اور اتنے بینا ہو گئے کہ ان کے بیٹے فرماتے ہیں

فرایته یدخل الخیط فی الابرة و انه لابن ثمانین و ان عینیه لمبیضتان.

میں نے انہیں سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے دیکھا حالانکہ ان کی عمر اسی برس تھی اور ان کی دونوں آنکھیں سفید تھیں-

جناب رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے صادر ہونے والا

کلام دلوں کی شفا اور دہن مبارک کا لعاب اسقام و امراض جسمانی کے لیے اکسیر تھا۔

جتنے فضائل جتنے محاسن، ممکن میں ہو سکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم، صلی اللہ علیہ وسلم
علم لدنی، شان کریمی، خلق خلیلی، نطق کلیمی
زہد مسیحا، عفت مریم، صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) اسد الغابة. ج : ۱، ص : ۳۷۳. باب الحاء و الباء. حبيب بن فديك رحمة الله عليه.

(۲) دلائل النبوة. ج : ٦، ص :۱۷۳. باب ماجاء فی نفثه فی عينين.

(۳) الا صابة فی تمييز الصحابة رضی الله عنهم. ج : ۱، ص : ۳۰۸. رقم: ۱۵۹٦ حبيب بن فويك رضی الله عنه.

(٤) الاستيعاب على هامش الاصابة. ج : ۱، ص : ۳۳۰.

❁❁❁

(۲۰) حضرت کلثوم بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

غزوۂ احد میں جناب رسول اللہ ﷺ کو جس نوعیت کے حالات کا سامنا کرنا پڑا، ایسے حالات دوبارہ آپ کی حیات طیبہ میں نہیں آئے۔ آپ جب مدینہ طیبہ واپس لوٹے تو انصار رضی اللہ عنہم کی عورتوں کے گریہ وزاری کی آواز سنی بہت سے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو چکے تھے۔ آپ کے لیے سبھی کا دکھ تھا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور پھر جو کچھ ان کی میت کے ساتھ ہو چکا تھا، آپ کی طبیعت پر اس کا اثر غالباً کچھ زیادہ تھا۔ عورتوں کی آواز سن کر فرمایا۔

((لکن حمزہ لابوا کی له)).

اوہو ہمارے حمزہ کو رونے والا کوئی نہیں۔

کئی برس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت جن کے ہاتھوں ہوئی تھی وہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا آپ نے ان سے فرمایا۔

وحشی اخرج فقاتل فی سبیل الله کما قاتلت لتصد عن سبیل الله.

وحشی جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسے تم اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ ختم کرنے کے لیے جنگ کیا کرتے تھے۔

ایک کافر کو العیاذ باللہ جناب رسول اللہ ﷺ سے اتنی شدید نفرت تھی کہ اس نے احد کے دن جب آپ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگنے لگا۔

اللهم ان کان محمد علی الحق فاخسف بی.

اے اللہ اگر محمد (ﷺ) حق پر ہیں تو مجھے زمین میں دھنسا دے۔

اور پھر میدان احد کی زمین شق ہوگئی اور وہ اس میں دھنس گیا۔

غزوہ کے اختتام پر آپ شہدائے احد کی قبروں پر رکے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔

((اشهد انکم احیاء عند الله)).

میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہو۔

اور پھر اپنے گردو پیش کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔

((فزورو هم و سلموا علیهم فو الذی نفس محمد بیده لا یسلم علیهم احد الا ردوا علیه الی یوم القیمه)).

تم ان کی قبروں پر آتے رہنا اور انہیں سلام کرتے رہنا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے قیامت تک جو کوئی بھی ان احد والوں کو سلام کرے گا یہ اسے اس سلام کا جواب دیں گے۔

احد کے دن جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدید زخمی ہوئے ان میں

ایک ہستی حضرت کلثوم بن حصین ابو رہم الغفاری رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ قدیم الاسلام تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر ٦ھ میں جب حدیبیہ تشریف لائے تو یہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے اور درخت کے نیچے تاریخی بیعت جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لی تھی' ان بیعت کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔

٧ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ میں آپ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ غزوۂ تبوک میں بھی شامل تھے اور مستقل رہائش مدینہ طیبہ ہی میں تھی۔

غزوۂ احد میں کفار مکہ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے تیروں سے مشق ستم بنایا آپ بھی ان میں سے ہی تھے۔ کسی کافر نے ایسا طاق کر تیر چلایا جو آپ کے حلق کے نیچے شہ رگ میں آکر پیوست ہو گیا۔ خون فوارے کی طرح چلنے لگا۔ اور قریب تھا کہ کوئی سانحہ پیش آ جاتا' اچانک جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ساری صورت حال کو ملاحظہ فرمایا اور

فبصق علیه فبرأ.

اور جہاں تیر پیوست تھا اس مقام پر اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ اور ان کا وہ زخم ٹھیک ہو گیا۔

کفر جو پوری انسانیت کی شہ رگ کا قاطع ہے، جناب رسول اللہ ﷺ تو اسے مٹانے کے لیے بھیجے گئے تھے 'ان کی لعاب مبارک نے اس تیر کے اثر کی کاٹ کر دی جو حضرت ابو رہم کلثوم بن حصین الغفاری رضی اللہ عنہ کی شہ رگ میں پیوست ہو گیا تھا تو یہ توان برکات کا ادنیٰ اثر ہے جو اس ہستی اور وجود میں پائی جاتی تھیں - وہ ہستی تو سراپا درد کا مداوا' امن 'محبت اور عافیت کا پیغام تھی -

اے کہ ترا قدم قدم منزل امن و عافیت
اے کہ ترا نفس نفس دعوت اوج و برتری
دشمن جاں پہ بھی اٹھی تیری نگاہ التفات
یہ تیری شان رحمت یہ تیری بندہ پروری
اے کہ تیری ادا ادا فاتح قلب سومنات
اے کہ تری نظر نظر حاصل حسن دلبری
صلی علی محمد صلی علی محمد
تیرے اس اسم پاک سے دونوں جہاں کی برتری

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) تهذيب التهذيب. ج : ٦، ص : ٥٨٣. من اسمه كلثوم. رقم: ٥٨٥١. كلثوم بن الحصين رضى الله عنه.

(۲) اسد الغابة. ج : ٤، ص : ٢٥٠، باب الكاف و الام.
(۳) الاستيعاب. ج : ٣، ص : ٣١٦.
(٤) الاصابة. ج : ٤، ص : ٧١. رقم : ٤٢٠. (ابورهم) حرف الرا.
(٥) السيرة الحلبية. ج : ٢، ص : ٢٥٢. غزوة احد.
(٦) عيون الاثر. ج : ٢، ص : ٢٣. غزوة احد.
(٧) مجمع الزوائد. ج : ٦، ص : ١٧٠. كتاب المغازى و السير. ٢٥- ٢١- ٤- باب مقتل حمزه رضى الله عنه.

❁❁❁

(۲۱) محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مکہ مکرمہ میں زندگی بہت دشوار تھی- جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا تھا وہ گویا کہ اپنے ہاتھوں میں انگارے تھام لیتا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ ہمیشہ کی طرح مجسم صبر واستقامت اپنے پروردگار کا پیغام پہنچانے میں مصروف-

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازار طائف میں
سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا:

انی قد رایت ارضا ذات نخل فاخر جوا.

میں نے خواب میں ایک کھجوروں والی سرزمین دیکھی ہے تم لوگ ادھر ہجرت کر جاؤ-

یہ فرمان سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حبشہ کی ہجرت کی اور ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت

حاطب بن حارث رضی اللہ عنہما بھی تھے- حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ امید سے تھیں جو دن ہر طرح سے آرام کرنے کے تھے' وہ اللہ کی راہ میں اس مشقت جھیلنے میں گذر گئے- اس دین کے نوخیز پودے کو لوگوں کے خون کی ضرورت تھی اور یہ باغ انہی مصائب سے سینچا گیا تھا- یہ خاتون فاطمہ بنت مجلل رضی اللہ عنہا بھی ہجرت کر رہی تھیں بحری سفر ہو رہا تھا کہ کشتی ہی میں ایک نومولود کا ورود ہوا- ان کی والدہ نے اپنے بچے کا نام اپنے نبی علیہ السلام کے نام پر رکھا یعنی ''محمد'' اور قبیلہ قریش میں

هذا اول من سمى بالنبى صلى الله عليه وسلم.

یہ پہلا بچہ تھا جس کا نام جناب رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی پر رکھا گیا-

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا اور محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ دوسری ہجرت کے لیے حبشہ سے مدینہ طیبہ کے لیے لے کر چلیں- منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے ابھی دو دن باقی تھے کہ رات کو ان کی والدہ نے کھانا پکانے کے لیے چولھے پر ہنڈیا چڑھائی اور ایندھن ختم ہو گیا تو وہ ایندھن لینے کے لیے باہر گئیں- محمد بن حاطب اپنے بچپنے کی وجہ سے آگے بڑھے اور گرم ہنڈیا کو چھوا تو وہ ان کے ہاتھوں اور کلائیوں پر گر پڑی جس کی وجہ سے دونوں ہاتھ جل گئے- ان کی والدہ نے باقی سفر پورا کیا اور انہیں لے کر جناب

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا۔

هذا محمد بن حاطب و هو اول من سمی بك.

یہ محمد بن حاطب ہے اور یہ پہلا لڑکا ہے جس کا نام آپ کے اسم گرامی پر ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کو قریب کر لیا۔ ان کا منہ کھول کر اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا۔ پھر سر پر ہاتھ پھیرا' انہیں دعا دی اور پھر ان کے دونوں جلے ہوئے ہاتھوں پر بھی اپنا لعاب مبارک لگا کر یہ دعا مانگی۔

((اَذْهَبَ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیُّ لاَ شِفَاءَ اِلاَّ شِفَاؤُكَ شِفَاءً لاَّ یُغَادِرُ سُقَمًا)).

"اے لوگوں کے پروردگار اس تکلیف کو دور فرما دیجئے اور شفا دے دیجئے بلاشبہ آپ ہی شفا دینے والے ہیں۔ آپ کی شفا کے علاوہ کوئی شفا نہیں ہے۔ بس ایسی شفا عنایت فرما دیں کہ اس کے بعد کوئی بیماری نہ رہے۔"

محمد بن حاطب کو ان کی والدہ نے لیا اور ابھی وہ اس مجلس سے اپنے بیٹے کو لے کر چلی بھی نہیں تھیں کہ یہ دونوں ہاتھ بالکل ٹھیک ہو گئے۔

یہ بھی جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا ایک معجزہ تھا جو ظہور پذیر ہوا۔ کسی بڑے سے بڑے طبیب کی حذاقت بھی اس غم زدہ

ماں کے دل پر کیا مرہم رکھ سکتی تھی جو کام اس لعاب مبارک اور اس چارہ گر غم و اندوہ علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا۔

ابر درافشاں سرور سامی بدر درخشاں صدر گرامی
حاذق دوراں' چارہ گر غم صلی اللہ علیہ وسلم
باطن و ظاہر' طیب و طاہر خسرو قاہر کوکب باہر
جان مظاہر مرکز عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(١) تهذیب التهذیب. ج: ٧' ص: ٩٧. حرف المیم. من اسمه محمد.

(٢) تهذیب الکمال. ج:١٦' ص: ١٨٨. باب المیم. من اسمه محمد.

(٣) المسند لامام احمد بن حنبل. ج: ٢' ص: ٣٥٦. مسند الکوفیین حدیث محمد بن حاطب رقم الحدیث: ١٨٣٠٤. الی ١٨٣٠٩.

(٤) المسند الامام احمد ج: ٥' ص: ٢٦٥. مسند المکیین حدیث محمد بن حاطب الجهنی رضی الله عنه.

(٥) اسد الغابة. ج: ٤' ص: ٣١٤. باب المیم و الحا.

(٦) دلائل النبوة. ج: ٦' ص: ١٧٤. باب فی نفثه صلی الله علیه وسلم فی ید محمد بن حاطب رضی الله عنه.

(۲۲) حدیبیہ کا کنواں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ان کی کم عمری کی وجہ سے مدینہ طیبہ لوٹ جانے کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔ ان کے والد حضرت عازب بن الحارث رضی اللہ عنہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے اور ان کے ماموں جن کا نام "قلیل" تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے تبدیل فرما کر ان کا نام "کثیر" رکھ دیا تھا وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہی تھے۔ ہجرت کے چھٹے برس جناب رسول اللہ ﷺ جب "حدیبیہ" تشریف لائے اور صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد مدینہ طیبہ لوٹ گئے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بھی اس موقعے پر موجود تھے۔ وہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب جناب رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں حدیبیہ میں پہنچے تو ہماری تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی۔ پانی کے استعمال کی وجہ سے وہ کنواں خالی ہو گیا۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور منڈیر پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا، پھر دعا فرما کر وہ پانی کنوئیں میں گرا دیا اور فرمایا ابھی کچھ دیر ٹھہر کر پانی نکالنا۔ پھر کچھ دیر بعد کنوئیں میں اتنا پانی آ گیا کہ ہم نے جی بھر کر پیا اپنے جانوروں کو پلایا اور اپنی واپسی کے دن تک وہی پانی پیتے رہے۔

یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک ہی کی برکت تھی کہ

تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد اس کنوئیں سے اپنی ضروریات کئی دن تک پوری کرتے رہے جو کنواں خشک ہو گیا تھا۔ یہ تو ڈیڑھ ہزار تھے اگر لاکھوں کا مجمع بھی ہوتا تو سیراب ہو کر لوٹتا، یہ جن کے تھوک کی برکت تھی انہی کے جد امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وجہ سے زم زم دنیا میں وجود پذیر ہوا اور آج تک کروڑوں افراد اس کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں مختلف ممالک میں لے جاتے ہیں اور اس میں کمی نہیں آتی۔ پھر اسی ہستی کے پوتے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک میں اتنی برکت کا ہونا چنداں تعجب انگیز نہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیبیہ کے اس دن پانی سے سیراب ہونے والوں کی تعداد دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا۔

لو كنا مائة الف لكفانا كنا خمس عشرة مائة.

ہم تو اس دن ڈیڑھ ہزار تھے اور اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی تھا۔

دکھی دلوں کا وہ چارہ گر بھی سیاہ شب کے لیے سحر بھی
مٹائے رنج و الم کے سائے سلام بھیجو درود بھیجو

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(۱) تهذيب التهذيب. ج : ۳، ص : ۱۹. باب الباء. من اسمه البراء.

(۲) صحيح بخاری. ص : ۳۴۱. رقم الحديث. ۴۱۵۱. كتاب المغازی. باب غزوة الحديبية.

(۲۲۳) بُضَاعَۃ کا کنواں

مدینہ طیبہ میں خزرج قبیلہ کی ایک ذیلی شاخ بنو ساعدہ کے نام سے مشہور تھی' ان کا قیام مدینہ طیبہ کے شمالی حصے کی طرف تھا جہاں ان کے مکانات اور باغات تھے۔ ان کا کنواں "بئر بضاعۃ" یعنی "بضاعہ کا کنواں" مشہور تھا۔ اس کنوئیں سے بنو ساعدہ اپنے باغات کی آب پاشی بھی کرتے تھے اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض چشموں سے پانی اس کنوئیں میں آکر گرتا تھا اس اعتبار سے اس کنوئیں کا پانی جاری تھا اور مختلف نجاستوں کے اثر سے یہ ناپاک نہیں ہوتا تھا۔

اس کنوئیں کا نام "بِضَاعَۃ" یا "بُضَاعَۃ" کیوں پڑا؟ اس کے متعلق بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس جگہ کا نام ہی پہلے "بضاعۃ" تھا اس اعتبار سے اسے "بئر بُضَاعَۃ" کہا گیا یعنی وہ کنواں جو "بُضَاعَۃ" کے مقام پر واقع ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہاں جس باغ کی سیرابی اس کنوئیں سے ہوتی تھی اس باغ کا نام "بُضَاعَۃ" تھا اس لیے اس کا یہ نام مشہور ہوا۔ یعنی وہ کنواں جو "بُضَاعَۃ" باغ میں واقع ہے۔

اور تیسری رائے یہ ہے کہ یہ "بُضَاعَۃ" ایک آدمی کا نام تھا۔ جو یہاں رہتا تھا اور اس کنوئیں کا نام اس آدمی کے نام پر ہے۔

اس کی چوتھی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ زمانہ قدیم میں

ایک یہودی عورت "بضاعۃ" نے اس کنوئیں کو کھدوایا تھا اور کچھ یہودیوں نے ہی مل کر اس کنوئیں کو کھودا تھا اس لیے اس کا یہ نام پڑا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کنواں برباد ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ بنو ساعدہ نے پھر اس کنوئیں کو بنایا اور اس کا پانی استعمال کے قابل ہوا۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کنوئیں میں اتنا پانی تھا کہ اسے خالی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وعیونھا کثیرۃ فلا تنزح.

اور اس کنوئیں کو سیراب کرنے کے لیے بہت سے چشمے تھے اس لیے یہ پانی خالی نہیں ہوتا تھا۔

"بُضَاعَۃ" عربی میں "پونجی" یا "سرمایہ" کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اسی کنوئیں کے پانی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

((الماء طھورٌ و لا ینجسہ شی)).

اس کا پانی پاک ہے اور اسے کوئی چیز بھی ناپاک نہیں کرتی۔

اس کنوئیں کے متعلق حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کی روایات ملتی ہیں۔

ان کے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کا نام "حزن" تجویز فرمایا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس نام حزن (سخت' پتھریلی زمین) کو بدل دیا اور خود ان کا نام سہل (آسان' نرم زمین) رکھا۔

حجاج بن یوسف جو اس امت کے ظالموں میں سے ایک تھا اس نے اپنے دور میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ظلم و ستم کا خاص ہدف بنایا ان میں سے ایک حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ اس نے انہیں پیغام بھجوایا کہ تم نے امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی مدد کیوں نہیں کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں انہی کے ساتھ تھا تو اس نے اس جواب کی تکذیب کی اور پھر تین جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تین سزائیں سنائی گئیں۔ ان کی اور جناب رسول اللہ ﷺ کے خاص خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی گردنوں پر تو مہریں لگا دی گئیں جو اس بات کی علامت تھیں کہ یہ ''سرکار'' کے مجرم ہیں۔ اور تیسرے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر مہر لگائی گئی تاکہ لوگ دیکھیں اور حکومتی اقدامات کے خلاف بولنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

تین سزاؤں میں سے پہلی سزا تو یہ تھی اور دوسری سزا یہ تھی کہ تشہیر کی گئی کہ ان حضرات سے ملاقات جرم ہے اور لوگ ان سے بچ کر رہیں اور تیسری سزا یہ کہ لوگ کسی مقام پر بھی ان کی بات نہ سنیں۔ یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو ایک خط کے ذریعے سخت سرزنش کی تو انہیں مزید سزا نہیں ملی ورنہ حجاج بن یوسف انہیں بھی اسی طرح شہید کروا دیتا جیسے کہ اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔

یہ جلیل القدر صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ۔

و الله سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى منها.

اللہ کی قسم اس کنوئیں (بئر بضاعۃ) سے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے جناب رسول اللہ ﷺ کو پانی پلایا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ اس کنوئیں پر گاہے گاہے تشریف لاتے تھے اور اپنے گھوڑے کو بھی یہاں سے پانی پلاتے تھے۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ایک مرتبہ اس کنوئیں پر تشریف فرما تھے کہ آپ نے ایک ڈول نکلوایا اور اس پانی سے وضو فرما کر پھر وہی پانی واپس اس کنوئیں میں ڈال دیا۔

پھر دوسرا ڈول نکلوایا اس پانی سے کلی کر کے پانی اپنے دہن مبارک سے اس ڈول کے بقیہ پانی میں ڈال دیا اور پھر اس ڈول میں آپ نے اپنا لعاب مبارک ڈالا اور اس پانی کو پی کر پھر وہ پانی کنوئیں میں ڈال دیا۔

گویا کہ اس کنوئیں کے پانی کو دو مرتبہ یہ شرف حاصل ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا لعاب اور جسم مبارک سے علیحدہ ہونے والے وضو کے پانی کے قطرات اس میں شامل ہوئے۔

اصل الفاظ یہ وارد ہوئے ہیں۔

فتوضاء فى الدلو و رده فى البئر.

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کنوئیں کے ڈول سے وضو فرمایا اور واپس اس پانی کو کنوئیں میں ڈال دیا۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

و مسج فی الدلو مرة اخری و بصق فیها و شرب من مائها.

اور اس ڈول میں دوسری مرتبہ کلی فرمائی پھر اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا۔ اور اس پانی میں سے کچھ پانی نوش بھی فرمایا۔

اس کنوئیں میں پہلے بھی پانی زیادہ تھا اور اب تو جناب رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک بھی شامل ہو گیا تھا اس کی برکات کے اب کیا کہنے۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے بارہا جناب رسول اللہ ﷺ کو "بئر بضاعة" پر کھڑے ہوئے دیکھا۔

و شرب منها و توضاء و دعا فیها بالبرکة.

آپ نے اس کنوئیں سے پانی نوش فرمایا۔ اس کے پانی سے وضو فرمایا اور اس کنوئیں میں برکت کے لیے دعا فرمائی۔

یہ برکت و شرف مدینہ طیبہ کے بس اسی کنوئیں کو ملا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے قولاً دعا فرمائی اور عملاً اس میں اپنے وضو کا بقیہ اور مستعمل پانی اور لعاب مبارک بھی شامل فرما دیا۔ اب اس پانی کا حال یہ ہو گیا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کنا نغسل المرضی من بئر بضاعة ثلاثة ایام فیعافون.

ہم اپنے مریضوں کو اس کنوئیں کے پانی سے تین دن غسل دیتے تھے اور وہ شفا پا جاتے تھے۔

اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے۔

و کان اذا مرض المریض فی عهده یقول اغسلوه من ماء بضاعة فیغسل فکانما حل من عقال.

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو اس کے تیمار داروں سے کہا جاتا تھا کہ اپنے مریض کو "بئر بضاعة" کے پانی سے غسل دو۔ اور جب وہ غسل کراتے تھے تو وہ مریض یوں ٹھیک ہو جاتا تھا جیسے اسے مرض نے قید کر لیا تھا اور اس غسل نے اس کی وہ قید توڑ دی ہو۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک سے مریضوں کی گرہ کھلنا تو معمولی بات ہے انہوں نے تو وہ زنجیریں کھول لیں جنہوں نے انسانیت کو باندھ رکھا تھا۔ وہ شکنجہ جس میں مظلوم کسے ہوئے تھے اس کے کسنے والوں کے ہاتھ توڑ دیئے۔ ان کی صحرا سے چمن آباد ہوئے اور ان کی توجہات عالیہ سے حیات نے نور مستعار لیا۔

ندیاں بن کے پہاڑوں میں تو سب گھومتے ہیں
ریگزاروں میں بھی بہتا رہا دریا تیرا

شرق اور غرب میں بکھرے ہوئے گلزاروں کو
نکہتیں بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا
اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا
تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا' ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا
ایک بار اور بھی یثرب سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

مدینہ منورہ میں بئر بضاعۃ کے علاوہ اور بھی بہت سے کنوئیں ایسے تھے جن میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا- مثلاً دوسرا کنواں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تھا- جس کے متعلق خود حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے اس کنوئیں پر جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے اور اس کا پانی نوش فرمایا تھا- اسی کنوئیں کا تذکرہ کتب تاریخ میں ''بئر ابی انس'' کے نام سے بھی ملتا ہے- جناب رسول اللہ ﷺ اسی کنوئیں پر تشریف فرما تھے اور حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت چار اور پانچ برس کے درمیان تھی' آپ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ آپ نے اس کنوئیں سے پانی لے کر کلی فرمائی اور اپنے دہن مبارک سے وہ پانی ازرہ محبت و شفقت اس چھوٹے بچے محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ڈال دیا-

تیسرا کنواں ''بئر انا'' تھا جس پر ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ نصب کروایا تھا-

چوتھا کنواں بئر ''بئر حا'' تھا جو کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں تھا اور انہوں نے یہ کنواں صدقہ کر دیا تھا- پانچواں کنواں ''بئر رومہ'' تھا جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا اور اسی کنوئیں پر جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جنت کا وعدہ فرمایا تھا- چھٹا کنواں ''بئر غرس'' تھا جس کے متعلق آپ نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ آپ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمے پر تشریف فرما ہیں- اور پھر آپ نے اپنے خواب کی تعبیر ارشاد فرماتے ہوئے اسی کنوئیں کو جنت کا چشمہ بتایا تھا-

اور اسی کنوئیں کے پانی سے بعد از وفات آپ کو غسل دیا گیا تھا- ساتواں ''الیسیرۃ'' تھا جس کا نام پہلے ''العبیرہ'' (مشکل) تھا پھر آپ نے اس کا نام تبدیل فرمایا اور ''الیسیرۃ'' (آسان) رکھا- اور آٹھواں کنواں- ''بئر اریس'' تھا جس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں گر گئی تھی اور باوجودیکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے از بس کوشش کی کہ وہ مل جائے اور کنواں بھی صاف کروایا مگر وہ نہیں ملی تھی-

نواں کنواں ''بئر ابی الھیثم'' کے نام سے اھل مدینہ میں

مشہور تھا- اس کا پانی بہت عمدہ تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ پانی بھی گھر پر لایا جاتا تھا- ان تمام کنوؤں سے جناب رسول اللہ ﷺ نے پانی نوش بھی فرمایا ہے ان میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا ہے اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی- ان کنوؤں کا مفصل بیان یہاں نہیں کیا جا رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لعاب مبارک اور دعا کا اثر تو یقیناً ان کنواں کے پانی میں آیا ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں مگر وہ اثر کیا تھا تاریخ نے اسے محفوظ نہیں کیا- آپ کی دعا اور لعاب مبارک سے اس پانی میں کیا تغیر واقع ہوا اور اس کے اوصاف میں کیا تبدیلی آئی' ان معلومات کے حصول کا آج کوئی ذریعہ نہیں صرف "بئر بضاعہ" کے متعلق روایات ملتی ہیں جو کہ نقل کر دی گئی ہیں- سو جب تاریخ باقی کنوؤں کے متعلق خاموش ہے تو پھر ان کنوؤں کی مفصل تاریخ خود تاریخ کا موضوع ہے- وہاں تمام تفصیلات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں اس رسالے کا موضوع تو ان برکات کو بیان کرنا ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لعاب مبارک میں تھیں- وہ جب ان کنوؤں کے متعلق نہیں ملتیں تو پھر ان کا بیان بھی اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے-

یہ تمام کنوئیں وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ پٹ گئے اور آج ان میں سے کسی کے آثار بھی باقی نہیں ہیں- بعض کنوئیں خلافت عثمانیہ کے دور تک بھی باقی تھے اور بعد ازاں بھی ان کے آثار قائم رہے

مگر اب باوجود تلاش و جستجو کے کوئی ایسا اثر نہیں مل سکا جس سے کسی ایک کنوئیں کا بھی مقام وقوع یقیناً معلوم ہوتا- صرف یادیں' روایات اور تمنائیں باقی ہیں- اب اس بابرکت پانی سے سیراب ہونے کی کوئی صورت نہیں بجز اس کے کہ اب یہ تمنا حوض کوثر پر ہی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے پوری کر دے-

(۱) لَا تَحرِمُوا دَأمَاءَ کُم مُستَسقِیَا   هُوَ فَاقِد الخُلَّانِ وَ الاَعوَانِ
(۲) فَتَقَبَّلُوا مِنِّیْ قَلِیلَ مَدِیحِکُم   اَنَا قَاصِرٌ فِی الْمَدحِ مِنْ تِبیَانِ
(۳) اَمْشِیْ سَبِیلَ الْمَدحِ حَتّٰی مَدْفَنِیْ   اِنْ لَمْ اَکُنْ فِیْ الْمَدحِ مِنْ فُرْسَانِ
(٤) لَاتَجْعَلَنَّ مُوْقُوْفُ بَابِكَ عَاجِزَا   یَاخَیرَ کُلَّ الْخَلْقِ بِالاَذْعَانِ

ترجمہ:- اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ پیاس کے مارے ہوئے کو اپنے سمندر (حوض کوثر) سے محروم نہ کیجیے یہ پیاسا تو اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے کٹ کر تنہا رہ گیا ہے-

میں جو (اس کتاب میں) آپ کی تھوڑی سی تعریف کر سکا ہوں آپ اسے قبول فرما لیں کہ میں نالائق آپ کی بہترین تعریف بھی تو بیان نہیں کر سکتا-

میں اپنی موت کے لمحے تک آپ کی تعریف کرتا رہوں گا اگرچہ پھر عرض کرتا ہوں کہ میں تو آپ کی تعریف کرنے کا اہل بھی نہیں ہوں- یہ نالائق جو آپ کے در اقدس پر حاضر ہوا ہے اس کی نالائقیوں کی وجہ سے اسے دھتکارا نہ جائے اے وہ ذات جو یقیناً اللہ تعالیٰ

کی مخلوق میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں

(١) بذل المجهود. ج : ١، ص ١٧٠. كتاب الطهارة. باب ما جا فی بئر بضاعة.

(٢) مراة الحرمين. ج : ١، ص : ٤٢٨. اراضی المدينه واو ديتما و آبارها و زروعها– (٥).

(٣) كتاب جمل من انساب الاشراف. ج : ٢، ص : ٢٠٢. ذكر البئار التی كان يستعذب رسو ل الله ﷺ منها الماء–

(٤) تاريخ المدينة المنورة. ج : ٢، ص : ١٥٦. ماجاء فی البئار التی كان يستقی منها.

(٥) معجم البلدان. ج : ١، ص : ٤٤٢. باب الباء و الضاد و ما يليهما.

(٦) تهذيب التهذيب . ج : ٣، ص : ٥٣٩. حرف السين من اسمه سهل. رقم: ٢٧٣٢.

(٧) تهذيب الكمال. ج : ٨، ص : ١٧٠. باب السين من اسمه سهل . رقم : ٢٥٩٥.

(٨) وفاء الوفا. ج : ٣، ص : ٩٥٦. الباب السادس. الفصل الاول. فی ابارها المباركات.

(٩) الطبقات الكبرىٰ. ج : ١، ص : ٥٠٥. ذكر البئار التی شرب منها رسول الله ﷺ.

❀❀❀

حدیث وفا

ایک ایسی جامع کتاب
جس میں تفسیر قرآن کی تلمیحات بھی ہیں
اور مختلف احادیث کی مستند تشریح بھی۔
عقائد کی تصحیح کا سامان بھی ہے اور گراں قدر فقہی مسائل بھی
تاریخی وثائق بھی ہیں اور اسماء الرجال پر فیصلہ کن تحقیق بھی
انداز ایسا اچھوتا کہ تحریر مصنف کے قلم سے قاری کے دل میں پیوست ہو جائے۔
بیان ایسا دلنشیں کہ اہل وفا کے دل اس تذکرۂ عشق سے سلگ اٹھیں۔
ادب کی تاب اور اشعار کی برجستگی اس پر مستزاد
اور کتاب کا اصل موضوع حسن وعشق مجسم کی ذات اقدس
مصنف کی اصل کوشش تحریک عشق رسالت مآب

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام